اردو نعت

اٹھارہویں صدی میں

ڈاکٹر طاہرہ انعام

نعت ریسرچ سینٹر

اٹھارہویں صدی اردو زبان و ادب کے فروغ اور تاریخی سفر میں اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے۔ مگر ادبی تاریخ نے اس عہد کے تقدیسی ادب، اس کے دائرۂ اثر، سماجی انسلاکات اور تہذیبی مظاہر پر اس طرح توجہ نہیں دی جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر طاہرہ انعام نے اس پہلو پر توجہ کی ہے جسے بڑی بڑی ادبی تواریخ میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ ہمارے عہد میں جس طرح نقدِ نعت کا جمود ٹوٹا اور فضا بدلی ہے، اس کے زیرِ اثر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ دور نقدِ نعت کے باب میں نئے سوالات کو جنم دے رہا ہے۔ محققین کی نعتیہ تحقیق میں ان موضوعات کی طرف توجہ نہایت امید افزا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب نعتیہ ادب کی مفصل تاریخ اپنے تہذیبی سفر اور سماجی حوالوں کے ساتھ مرتب ہو گی۔

مطبوعہ تحقیقی مقالہ جات میں اجمالاً نعتیہ روایت کا تاریخی جائزہ موجود ہے مگر ادبی تاریخ صرف اعداد و شمار پر منحصر نہیں ہوتی۔ زمانی ترتیب سے شعرا اور ان کی تخلیقات کا ذکر کافی نہیں۔ مؤقر ادبی تواریخ میں محققین نے جس طرح ہر دور کے ادب کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، نعت کے محقق کو اسی طرزِ احساس کی ضرورت ہے جو ہر عہد کی نعت اور بالخصوص قدیم نعتیہ شاعری کے لیے بھی داخلی تجزیہ و تحلیل کا فریضہ انجام دے سکے۔ اپنی اس دیرینہ خواہش کا ذکر میں اپنی تحریروں میں پہلے بھی کرتا رہا ہوں۔

ہمارے ہاں نعتیہ تنقید میں قدیم شعرا کی نعت کو نظر انداز کر کے انیسویں صدی کے شعرا کی نعت پر اصرار کی روش عام رہی ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ انعام نے اس ضمن میں اپنی بے لاگ رائے کو دلائل سے پیش کیا ہے۔ یہ حقیقی بصیرت اور تنقیدی جائزہ قابلِ داد ہے جس سے ہم کتاب کے مقدمے ہی میں متعارف ہو جاتے ہیں۔ عموماً نو وارد محققین اپنے اپنے وقت کی بڑی آوازوں ہی میں آواز ملاتے ہیں۔ اس روشِ عام کے برعکس رویہ اپنانے کے لیے جو ہمت اور جرأت درکار ہے، ڈاکٹر طاہرہ انعام کی سابقہ تحریروں میں بھی اس کا اظہار ملتا ہے۔ قدیم نعتیہ شاعری پر معروف آرا کی موجودگی میں عام طور پر مزید غور و فکر کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ دکنی عہد تک تو متون کی عدمِ تفہیم بھی اس دور کی نعت میں تخلیقی جمالیات کے تجزیے میں حائل رہی لیکن اٹھارہویں صدی، جس کی ادبی اہمیت کا ناقدین نے غالباً گزشتہ اور آئندہ صدی سے بھی بڑھ کر اعتراف کیا ہے، اس صدی کی نعتیہ شاعری کا ذکر بھی بڑے سرسری انداز میں کیا جاتا ہے۔ یہ رویہ گویا ادبی روایت کے تسلسل کا انکار ہے۔ اس رویے کی حوصلہ شکنی کے لیے جو دلائل مصنفہ نے پیش کیے ہیں، وہی اس کتاب کا بہترین جواز ہیں۔

اس کتاب میں ایک تو اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر اہم وہ پہلو ہے جسے ڈاکٹر طاہرہ انعام نے تحقیق و تجزیے سے ثابت کیا ہے کہ بعض آرا کبھی ایک آڑ بن جاتی ہیں یا آئندہ محققین کے لیے کسی مغالطے کا سبب بنتی ہیں۔ جس سے قدما کے ہاں نظر آنے والے امتیازات بھی اصل توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے شعرا کی نعت میں ذمہ دارانہ رویے اور تخلیقی توانائی کی طرف مکرّر توجہ کی فضا قائم کرنے میں یہ کتاب یقیناً معاون ہو گی۔ یہ بہت بڑا مرحلہ تھا جو کسی نہ کسی کو طے کرنا تھا۔ نعت کی ایک نئی محقّقہ کے متعلق یہ بات بہت معنی رکھتی ہے کہ اب تک پیش کردہ کتب میں انھوں نے سنجیدگی اور ذمہ داری سے نعتیہ نقد و تحقیق میں موضوع اور فکر کے حوالے سے اضافہ کیا ہے جس پر ڈاکٹر طاہرہ انعام مبارک باد کی مستحق ہیں۔

صبیح رحمانی

ISBN: 978-627-7895-00-6

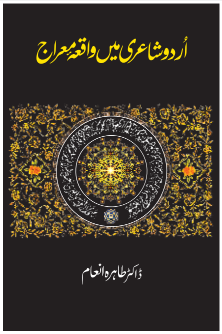

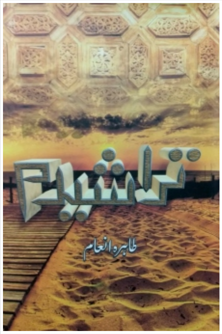

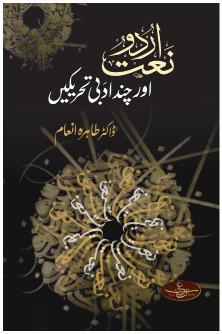

ڈاکٹر طاہرہ انعام

شعبۂ اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین

کارخانہ بازار فیصل آباد

tahira.inaam@gmail.com

اردو نعت اٹھارہویں صدی میں

ڈاکٹر طاہرہ انعام

نعت ریسرچ سینٹر

نعت ریسرچ سینٹر

ہمارا نصب العین ! نعتیہ ادب کا فروغ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب : اُردو نعت اٹھارہویں صدی میں

مصنفہ : ڈاکٹر طاہرہ انعام

کتابت : راشد حسین

مطبع : مہر گرافکس اینڈ پبلشرز

اشاعت : 2025ء

تعداد : 500

صفحات : 280

قیمت : 1200

شائع کردہ

نعت ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی۔

محققینِ نعت کے نام

فہرست

■ مقدمہ...........ڈاکٹر طاہرہ انعام ۷

۱. اٹھارہویں صدی کا سیاسی و مذہبی منظرنامہ ۱۴

۲. ادبی و لسانی ماحول ۱۶

۳. اٹھارہویں صدی سے قبل اردو نعت کا منظرنامہ ۱۸

۴. اٹھارہویں صدی میں اُردو نعت کا اسلوبیاتی مطالعہ ۲۰

۵. اٹھارہویں صدی میں اردو نعت کا موضوعاتی مطالعہ ۴۲

۶. اٹھارہویں صدی میں اردو نعت کا فنی جائزہ ۸۱

۷. ﴿نمونہ ہائے کلام﴾ ۱۰۰

۸. قصائد:
(ولیؔ، سوداؔ، حسرتؔ، قائمؔ، جوششؔ، ایمانؔ، ولاؔ، راسخؔ، مصحفیؔ) ۱۶۶-۱۰۱

۹. مثنویات
(جعفرؔ، بحریؔ، شاہ تراب، ولیؔ، آبروؔ، قادرؔ، سراجؔ، قربیؔ، شیداؔ، سوداؔ، حسنؔ، آگاہ آفتابؔ، میرؔ، ناسخؔ، راسخؔ، رنگینؔ) ۲۰۷-۱۶۷

۱۰. رباعیات
(آگاہ، حسرتؔ، ولیؔ، سوزؔ، عشقؔ، قائمؔ، جوششؔ، راسخؔ) ۲۲۰-۲۰۸

۱۱. مسدس
(تمناؔ، بیدارؔ، فدویؔ، میرؔ، احسانؔ) ۲۳۳-۲۲۱

۱۲. مخمس
(ولیؔ، حسرتؔ، نظیرؔ) ۲۴۰-۲۳۴

۱۳. غزلیات
(بحریؔ، فراقیؔ، فاضلؔ، نور محمد، یقینؔ، قادرؔ، سراجؔ، قربیؔ، عزلتؔ، داؤد، عشقؔ، سوداؔ، حاتمؔ، قائمؔ، اثرؔ، بیدارؔ، کاظمؔ، ایمانؔ، آگاہؔ، جرأتؔ، میرؔ، انشاؔ، مہ لقا چنداؔ، فدویؔ، نصیرؔ، ناسخؔ) ۲۸۰-۲۴۱

مقدمہ

عہدِ حاضر میں نعتیہ تنقید نے ذہن سازی کا یہ منصب نبھایا ہے کہ صنفِ نعت کو ادب کے مرکزی دھارے کا حصہ تسلیم کرتے ہوئے تمام تخلیقی و تنقیدی پہلوؤں کو نقد و نظر کا موضوع بنایا جارہا ہے۔ ادب کے گزشتہ ادوار، پر تنقید کے لیے متعلقہ عہد کی ادبی تخلیقات کے علاوہ ادبی تحقیق اور ادبی تاریخ سے استفادہ لازم ہے۔لٰہذا نعتیہ ادب کی مربوط اور مفصّل تاریخ کے لیے بھی اس شعری روایت کے تمام ادوار کا جائزہ ضروری ہے۔انیسویں صدی تک کے نعتیہ سرمائے سے متعلق معروف آرا کا خلاصہ یہ ہے:

- جنوبی ہند کے نعت نگاروں نے نعت کو فنی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ رشد و ہدایت کا ذریعہ بنایا۔
- تبلیغ و اصلاح کے مقاصد اور زبان کی قدامت کے باوجود جنوبی ہند کے نعتیہ کلام میں اعلیٰ فنی معیار کے حامل نمونے بھی مل جاتے ہیں۔جن میں محاسنِ شعری کے علاوہ کیف و اثر کے عناصر بھی مل جاتے ہیں۔
- صنفِ شاعری یا فن کے طور پر نہ سہی ایک موضوع کے طور پر نعت مقبول و مروج رہی۔
- نعت کو بطور صنفِ شعر نو آبادیاتی دور میں شناخت حاصل ہوئی۔ برطانوی استعماریت کے عہد میں شعرا نے غزل کی ہیئت میں نعتیہ مضامین کو مستقل حیثیت دے کر نعت کو فنی تشخص عطا کیا۔
- ایک طویل مدت تک کسی اردو شاعر نے نعت گوئی سے خصوصی شغف کا اظہار نہیں

کیا۔اس لیے انیسویں صدی عیسوی تک کا نعتیہ شاعری کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو رسمی نعت گوئی کے تحت آتا ہے اور فکر و فن کے لحاظ سے اس کا معیار ایسا نہیں کہ اس کا ذکر ضروری سمجھا جائے۔

- شعرانے کارِ ثواب سمجھ کر حمد کے ساتھ ساتھ چند شعر بطور نعت کہہ کر اپنے دیوان کے آغاز میں درج کر دیے ہیں۔
- نعت کو عقیدت کے روایتی انداز سے نکال کر ادبی و فنی خصوصیات سے آشنا کرانے اور بطور فن ایک معیاری مقام عطا کرنے میں محسن کاکوروی کا نام سرِ فہرست ہے۔

اکابرین کی یہ آراء کچھ تخفیف کی متقاضی ہیں۔

اردو شاعری کی ابتدا میں تمام اصناف طویل مدت تک عرصۂ تشکیل میں رہیں اور ان معیارات کو بہت بعد میں رسا ہوئیں جن کو چھُونا مرتبۂ فن پر فائز ہونے کی دلیل ہو لیکن تنقیدی توجہ کے باعث دیگر اصناف کا عہدِ طفولیت اس سہولت سے نظر انداز نہ ہو سکا جیسے قدیم نعت کا طویل سفر کم اہم ٹھہرا۔ نیز رشد و ہدایت کا فریضہ مناصبِ نعت سے خارج نہیں، قدیم نعت کا یہ پہلو محض تاریخی نہیں بلکہ فکری اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اعلیٰ فنی معیار کے حامل نمونوں کا تناسب کم ہونا صرف قدیم نعت گوئی کا امتیاز نہیں عہدِ حاضر کے گوناگوں نعتیہ سرمائے میں بھی فکر و فن کے جواہر اسی تناسب سے ہاتھ آتے ہیں۔

نعت ایک موضوعاتی صنف ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ لہٰذا نعت کا صنف کے بجائے بطور موضوع رائج ہونا، خلطِ مبحث ہے۔ نعت نو آبادیاتی دور سے قبل بھی اپنا تشخص رکھتی تھی۔ اگر نعت کی شناخت کا انحصار ہیئتِ غزل میں نعت کی مضبوط روایت پر سمجھا جائے تو بدلتے ہوئے رجحانات میں آزاد نعتیہ نظم اور دیگر جدید ہیئتوں کے فروغ کو دیکھتے ہوئے اس نکتے پر مکرّر غور کرنا چاہیے۔ کسی صنف ادب کی تشکیل صرف خارجی عناصر کی مرہونِ منّت نہیں۔ برطانوی استعمار کے عہد نے نعت میں استغاثہ و استمداد کے مضامین کو متنوع ضرور کیا لیکن نعت کو بحیثیتِ مجموعی اس عہد سے متشخّص کرنا اردو نعت کی وسیع و عریض تاریخ کو محدود کر دینا ہے۔ ڈاکٹر مبین مرزا لکھتے ہیں:

"برصغیر کی گزشتہ تین سو سال سے زائد عرصے کو محیط تہذیبی تاریخ کا مطالعہ اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس زمانے میں ہمیں اس خطے میں جو بڑے بڑے تہذیبی مظاہر نظر آتے ہیں ان کے پس منظر میں فکر واحساس کا وہی محرک کار فرما ملتا ہے جسے ہم اردو کے لسانی اور ادبی اوضاع کی تشکیل و تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ یہ محرک ہے اسلامی فکر کا زائیدہ طرزِ احساس۔۔۔ اور اس طرزِ احساس کا مبدا ہے عشق رسول ﷺ۔۔۔ ممکن ہے یہ خیال اور اس کے تحت اٹھائے جانے والے سوالات اور ابھرنے والے مباحث ایسے ہوں کہ جنھیں سیکولر ذہن رکھنے والے دوستوں کے لیے سمجھنا اور تسلیم کرنا دشوار ہو لیکن یہ بات تمام تر ذمہ داری اور ہند اسلامی تہذیب کے جملہ ثقافتی و ادبی مظاہر کے فکری اثرات ہی نہیں بلکہ امکانات تک کو پیشِ نظر رکھ کر کہی گئی ہے کہ اردو شعریات اور اس کی جمالیات کے پس منظر میں سیرتِ مطہرہ کی تفہیم اور عشق رسول ﷺ کا جذبہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔"

(نعت رنگ ۲۵، ص:۱۲)

ہزاروں ابیات پر مشتمل نعتیہ مثنویوں اور طویل قصائد کی موجودگی میں یہ کہنا قابلِ غور ہے کہ اردو شعرا نے نعت سے خصوصی شغف کا اظہار نہیں کیا۔ دستیاب کلام کے علاوہ مخطوطات کی فہارس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرا نے گزشتہ صدیوں میں بھی ایسے مجموعہ ہائے سخن مرتب کیے جو صرف نعتیہ منظومات پر مشتمل تھے۔ مگر ان کا کلام طبع نہ ہو سکا اور بعض شعرا نے کتب کے دیباچوں میں اپنی ایسی نعتیہ تخلیقات کا ذکر کیا ہے جو ناپید ہیں یا ابھی تک محققین کی ان تک رسائی نہیں ہو سکی۔

"رسمی نعت" اور "حقیقی نعت" میں جذب و مستی، جوشِ محبت کے گہرے اور موثر اظہار کی جو تفریق بتائی جاتی ہے اس کا اطلاق از آغاز تا حال تمام نعتیہ سرمائے پر ہوتا ہے۔ عہدِ حاضر تک ایسی مثالیں موجود ہیں کہ زُود گو شعرا فنی ارتقا اور ندرت سے مُستغنی ہوتے ہوئے بھی تعارف اور قبولیت کے حامل ہیں۔ یہ محض جزوی صداقت ہو گی کہ انیسویں صدی سے قبل کی تمام نعتیہ شاعری پر فردِ "رسمیت" عائد کر دی جائے۔

ہر زمانے میں فن اور اسلوب کے معیار بدلتے رہے ہیں۔ بعض مستقل معیارات کے

تحت ہر عہد کے نمائندہ شعرا کو اپنے اپنے دائرۂ کار میں فن کے حوالے سے مقام و مرتبہ حاصل رہا ہے۔ یہ بات قابلِ بحث ہے کہ ایک شاعر جس دیوان کے بل بوتے پر ''بڑا شاعر'' ہے کیا اس دیوان کی ابتدا میں شامل حمدیہ و نعتیہ غزل کو (جسے محض برائے ثواب شامل کرنے کا اعلان شعرا کے ہاں نہیں ملتا) محض رسمی قرار دے کر فنی جائزے سے خارج کر دینا چاہیے؟ ایک بڑا فنکار دیوان کی ابتدائی غزل میں اپنی فنی اُپج سے دست بردار کیونکر ہو سکتا ہے۔

تنقید کے جس عمل نے ہر صدی کے سینکڑوں شعرا میں سے چند شعرا کو اجاگر کر کے انھیں جاودانی حیثیت دی، نعتیہ کلام اس تنقید سے مستثنٰی رہا۔ ماضی قریب میں رُوئے تنقید نعت کی جانب ہوا تو اس کی روشنی میں ماضی بعید تک جھانکنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ دیوان میں نعت کے عنوان سے تخلیقات کا صرف آغاز میں ہونا مگر کلام میں جابجا نعتیہ مضامین کا در آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ذکرِ رسول ﷺ ان شعرا کے لیے رسمیت سے بڑھ کر کچھ ہے، عہدِ حاضر میں تنقیدی میزان اس قدر لچکدار ہے کہ صریحاً غزل کے اشعار میں نعتیہ امکانات کو دریافت کرنا روا ہے ایسے میں خالصتاً نعت کے ضمن میں کہی گئی کسی بھی عہد کی شاعری بے اعتنائی کی سزاوار نہ ہونی چاہیے۔

ابتدا سے کلاسیکی عہد تک غزل مثنوی، قصیدہ رباعی قطعہ، مستزاد، فردیات، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، گیت، راگ، جکری، دوہے کی ہیئت میں نعت کہی گئی یہ ہیئتی تنوع بجائے خود کسی صنف کے فنی امکانات کی دلیل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> '' قدیم ادب اور اٹھارہویں صدی کے ادب میں یہی فرق ہے۔ کہ قدیم ادب ناپختہ زبان میں فارسی ادب کی پیروی کرتا ہے۔ جبکہ اس دور کا ادب، قدیم ادب فارسی اثرات کو شاہ جہاں آباد کی زبان میں تحلیل کر کے اسے ایک ایسی نئی صورت دیتا ہے جس کی تخلیقی توانائی اور ہند ایرانی تہذیبوں کے سنگم سے زبان کا تیسرا دریا وجود میں آجاتا ہے۔ جو اس صدی کے شروع میں آہستہ بڑھتا پھیلتا ہے اور میر و سودا کے دور میں پاٹ دار ہو کر سارے برعظیم کے تخلیقی ذہنوں کو سیر اب کرنے لگتا ہے اور اس تخلیقی عمل میں زبان و بیان کے یکساں معیار کے

ساتھ سارا برِ عظیم شریک ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ فارسی گوئی کا طلسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جا تا ہے اور اردو ادب کی بڑی روایت قائم ہو جاتی ہے۔"(تاریخ ادب اردو جلد دوم، ص:۲۹۷)

اس عہدِ عظیم کی یہ ادبی اہمیت اٹھارہویں صدی کی نعت کے خصوصی مطالعے کا جواز پیش کرتی ہے، اس عہد میں شعری اصناف کو جو عروج حاصل ہوا۔ اس کی نمائندگی ہر صنف کے ممتاز شعرا کے حصے میں آئی۔ مثلاً غزل جیسی مقتدر و مقبول صنف میں اوّل درجے کے شعرا نے انفرادی نقش جمایا اور دوسرے درجے کے شعرا کے ہاں ان مقبول شاعروں کی بازگشت ہی سنائی دیتی ہے۔ بعینہٖ جہاں نعتیہ مضامین کی تکرار کا احساس ہوتا ہے وہیں نمایاں شعرا میں طرزِ ادا کی انفرایت بھی موجود ہے۔

اس صدی کی نعت میں زبان و بیان کی خصوصیات لائق توجہ ہیں زبان کے استعمال میں تقلید و تصرّف، تجدید اور وسعت لسانیات کے دلچسپ موضوعات ہیں۔ اردوئے قدیم سے شائستہ اردو تک کے اس سفر میں املا، تلفظ، لہجے کی ترقی، اسما ، افعال اور حروف کے تغیرات، ہندی و فارسی کی گھلاوٹ اٹھارہویں صدی کی نعت میں بھی برابر جھلکتی ہے۔

اٹھارہویں صدی کی نعت کا براہِ راست زمانۂ حال کی ارتقایاب نعتیہ روایت سے موازنہ کرنے کے بجائے ضروری ہے کہ اس ارتقا میں قدیم شعرا کے کردار کا جائزہ لیا جائے۔ انیسویں صدی میں نعتیہ شاعری کے ابعاد و جہات کی توسیع اور تنوع بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں موجود نعتیہ ادب کی توانا صورت ہے۔ لفظی و معنوی صنائع، پسندیدہ اوزان کا انتخاب اور سادہ و شیریں الفاظ کا چناؤ اس صدی کے شعرا کی صفت ہے۔ نعت پر لکھے گئے تحقیقی مقالات میں اہم شعرا کے انفرادی مطالعے بھی شامل ہیں۔ لہٰذا یہاں تکرارِ مطالب سے گریز کیا گیا ہے۔ اس صدی میں سادگی و سلاست کے شانہ بشانہ دقت پسندی کا رویہ بھی موجود ہے جسے مضمون آفرینی کے شوق نے پروان چڑھایا۔

اٹھارہویں صدی کے نعتیہ سرمائے میں ارتقا کی لپک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ وقت کے ساتھ اردو نعت کو جو امکانی وسعت حاصل ہوئی یہ کلاسیکی نعت کی فکری کم مائیگی کی دلیل نہیں بلکہ اس زندہ صنف کی فطری نشوونما کی عکاس ہے۔ بعض مضامین کی عام موجودگی محض تقلیدی روش نہیں بلکہ اس کا سبب مذکورہ عہد کی مذہبی تعلیم ہے جو زیادہ تر خانقاہوں پر

منحصر تھی تاہم مضامین کی مماثلت اور تکرار سے تعرّض کرتے ہوئے یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ اس صدی میں نعتیہ شاعری غیر متوازن تجربات اور طرزِ ادا کی بے احتیاطیوں سے قدرے محفوظ رہی۔ شعرا نے لہجے میں حفظِ مراتب کا خیال رکھا ہے۔ مسلک یا عقیدے کے بیان میں اٹھارہویں صدی کے شعرا کے ہاں عقیدت کا رنگ ہے، پروپیگنڈا کی شدت نہیں۔ اظہارِ عقیدت اور چیز ہے، دفاع مسلک ایک دوسری چیز ہے، جو اٹھارہویں صدی کے شعرا کی نعت پر مسلط نہیں۔ استغاثہ واستمداد کی شاعری میں شعرا نے بارگاہِ رسول میں بخشش اور اصلاحِ باطن کی استدعا کی ہے۔ فی زمانہ قدرتی آفات یا بد انتظامی سے وقوع پذیر ہونے والی تباہیوں کا نعت میں تلخی اور شکوے سے ذکر کرنے کی جو روش چل نکلی ہے کلاسیکی نعت میں یہ انداز موجود نہیں۔

قدیم نعتیہ ادب میں ترجمے کی روایت نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اٹھارہویں صدی سے قبل بھی طویل مثنویاں فارسی سے ترجمہ کی گئیں۔ اس کے علاوہ عبدالمحمد ترین نے ''شمائل نامہ'' کو پشتو زبان سے دکنی زبان میں ترجمہ کیا اٹھارہویں صدی میں بھی تراجم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ فارسی سے اخذ وترجمہ کی مثالوں کے علاوہ محمد بن رضا نے قصیدہ بردہ کو عربی سے ترجمہ کیا۔

دائرۂ کار کی وضاحت میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جو شعرا اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوئے اور اسی صدی میں وفات پائی ان کے علاوہ اس مطالعے میں ان شعرا کا کلام بھی شامل رکھا گیا ہے جنھوں نے زندگی کے کچھ برس سترہویں صدی کے اواخر اور بقیہ زندگی اٹھارہویں صدی میں گزاری۔ وہ شعرا جن کی پیدائش اٹھارہویں صدی کے اوخر میں ہوئی اور انھوں نے بقیہ زندگی انیسویں صدی میں گزاری ان کی شمولیت کا ایک سبب یہ ہے کہ ان شعرا کے کلیات دواوین کے مرتبین کو مخطوطات سے خاطر خواہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں کہ کس شاعر نے شاعری کا آغاز کس عمر میں کیا دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ شعرا اٹھارہویں صدی ہی کے اکابر شعرا سے سلسلۂ تلمذ رکھتے تھے لہٰذا اسی عہد کے خصائص افتادِ طبع کے چیدہ چیدہ امتیازات کے ساتھ ان شعرا کے کلام میں موجود ہیں۔ حتی المقدور کاوش سے جن شعرا کے مدوّنہ نسخے فراہم ہوئے ان کا نمونہ کلام اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ محققین نے تحقیقی کتب میں مخطوطات سے اٹھارہویں صدی کے شعرا کی جو مثالیں درج کی ہیں انھیں

بھی حصہ بنایا گیا ہے۔ آخر میں متن کی باحوالہ موجودگی کے باعث ہر صفحے پر شعری مثالوں کا حوالہ علیحدہ درج نہیں کیا گیا۔ اٹھارہویں صدی کا ادب تحقیق و تنقید کا اہم موضوع رہا ہے اور اس عہد کے ماحول پر مفصل جائزے رقم کیے گئے ہیں لہٰذا اس کتاب کے ابتدائی عنوانات کے تحت اختصار سے گفتگو کی گئی ہے۔

شعرا کے سنینِ ولادت و وفات میں محققین کا اختلاف ہے لہٰذا درج شدہ سنین سے قارئین کے عدم اتفاق کی توقع کی جا سکتی ہے مگر اٹھارہویں صدی میں ان شعرا کا موجود ہونا مسلّم ہے۔ جن شعرا کی ولادت یا وفات کی معلومات دستیاب نہ ہو سکیں ان کی شمولیت کا مدار تخلیقات کے سنِ تصنیف یا معاصرین کی معلومات پر ہے، جس کی نشاندہی حواشی میں کر دی گئی ہے۔

شوقِ تحقیق میں صبیح رحمانی صاحب کی مشفقانہ رہنمائی اور انعام صاحب کا دوستانہ تعاون میری توانائی ہے۔ اللہ رب العزت محسنین کو مزید عطا فرمائے۔ آمین

طاہرہ انعام

اٹھارہویں صدی کا سیاسی و مذہبی منظر نامہ

کسی بھی خطۂ ارض میں تشکیل پانے والے ادب کا گرد و پیش کے سماجی حالات سے بے بہرہ ہونا ممکن نہیں۔ سماج والوں کے گوناگوں انفرادی تشخصات بہر طور اپنے عہد کی مجموعی سیاست اور مذہبی رویے میں ضم ہو کر اکائی بن جاتے ہیں۔ ادب کا مشاہدہ کار، کسی عہد کے تجزیے کے لیے اسی اکائی سے رجوع کرتا ہے، روحِ عصر کو پانے کی کوشش کرتا ہے اور زمانی ادوار میں موجود تاریخی تسلسل کو دریافت کرتا ہے۔

برصغیر میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جانشینی کی جنگوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ احمد شاہ درّانی اور نادر شاہ کے حملے، شاہی عیش و عشرت، امراء کی سازشیں، مرکز کی کمزوری کا باعث تھیں۔ معاشی استحکام بھی ریاستی امراء اور ملازمین کی کثیر تعداد کے اخراجات سے مضمحل تھا۔ اس دور کے اہم مصلحین نے سیاسی و معاشی نظام کی اصلاح اور عدل و انصاف پر زور دیا۔ ان کے تجزیات اصولِ سیاست پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ معاشی انحطاط کے باعث طبقاتی نظام مسلم معاشرت کے لیے بھی قابلِ قبول ہو گیا جبکہ عالمی سطح پہ ہونے والی سیاسی شکست وریخت، استعماری نظام کو جنم دے رہی تھی۔

اٹھارہویں صدی میں مذہب مضبوط عامل ہے جو معاشرت و ثقافت پر اثر رکھتا ہے۔ مستحکم مذہبی نظام کے لیے سیاسی اقتدار کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ لہٰذا مسلم مفکرین نے اس صدی میں سیاسی زوال کی ابتدا کو اسلامی ثقافت کے انتشار کا پیشِ خیمہ بھی قرار دیا ہے۔ لہٰذا اسلامی تشخص کے احیاء کی کوششیں اگلی صدی کی اہم تحریکوں کا پس منظر ٹھہریں۔ برصغیر کا معاشرہ صدیوں تک اسلامی حکومت و ریاست کے زیرِ اثر رہا۔ اٹھارہویں صدی میں مذہب، ریاست اور معاشرت ماضی کی طرح یکجا نہ رہے بلکہ تغیّر و تبدل سے گزرے اور ان کی جداگانہ اقدار و ضروریات واضح ہوئیں۔

ہندوستانی معاشرے کا مذہبی رویّہ سترہویں صدی عیسوی میں گروہ بندیوں کا شکار تھا۔

> ”سترھویں صدی میں باہر سے آنے والے امراء میں ایک تقسیم ایرانی اور تورانی امرا کی تھی۔ ایرانی عموماً شیعہ اور تورانی زیادہ تر سنی تھے۔ چنانچہ اس کی

وجہ سے برصغیر میں شیعہ اور سنی کی تفریق اور گہری ہو گئی اور نگ زیب عالمگیر کے جانشیں محمد شاہ نے شیعہ مذہب اختیار کیا اور اس کی سرپرستی میں شدّت اختیار کی تو برصغیر کا پورا مسلم معاشرہ دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔"[۱]

مگر اٹھارہویں صدی میں اختلافات کی آگ بھڑکانے کے بجائے مفاہمت کی کوششیں نظر آتی ہیں۔ خود احتسابی وقت کا تقاضا بن گئی تھی۔ مگر مسلم مفکرین کی مذہبی مساعی برطانوی استعمار کے باعث بہت انقلاب خیز نہ ہو سکیں۔ شریعت و طریقت اپنے مخصوص حلقوں میں ایسی غیر محفوظ نہ تھی۔ اس دور کی روحانی اور متصوفانہ سرگرمیاں بہت اہم ہیں۔ علماء و فقہاء کے مقابلے میں صوفیا کا خانقاہی نظام زیادہ طاقتور تھا۔ اٹھارہویں صدی میں تصوّف کو مذہبی تحریکوں کی مخالفت کا سامنا نہ تھا لہٰذا ان سرگرمیوں میں قابلِ قدر پیش رفت نظر آتی ہے۔

اس عہد میں صوفیہ اور علماء وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں جو اختلاف رکھتے تھے اس کی تطبیق کے لیے بھی کوششیں ہوئیں۔ طریقۂ محمدیہ والوں نے سنّتِ نبوی اور شخصیت رسول ﷺ کو اہمیت دی۔ صوفیا کے مختلف سلسلے عوام میں مقبول ہوئے۔ بعض لوگ خانقاہی نظام کی شریعت کے مطابق اصلاح پر بھی متوجہ ہوئے۔ یہ بھی اس صدی کی اجتہادی فکر کا ایک پہلو ہے۔

۱۔ خالد مسعود (مرتب)، اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد: ۲۰۰۸ء، ص: ۳۱

ادبی و لسانی ماحول

اٹھارہویں صدی میں ابھی تمام تر سماجی راہیں سیاسیات کی جانب گامزن نہیں ہوئی تھیں لہٰذا اس صدی میں علوم و افکار میں گہری دلچسپی باقی تھی۔ گزشتہ صفحات میں جن عوامل کا ذکر کیا گیا ان سے تخلیقی قوتوں کو تحریک ملی جو تخلیقی ادب میں بھی کارگر ہوئی۔ ادب کو مکمل درباری سرپرستی حاصل نہ رہی تو تبدیلی کا باب بھی وا ہو گیا۔ فارسی کے بجائے ہندی اسالیب بھی قابلِ اعتنا ہوئے۔ فارسی و ہندوستانی زبانوں کے امتزاج سے لسانیات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی کو اُردو شاعری کا عہدِ زریں قرار دیا گیا۔

ولی دکنی کے شعری اسلوب پر فارسی اثر کے باوجود داخلی طور پر ان کی شاعری میں اٹھارہویں صدی کی مقامی ثقافت جلوہ گر ہے۔ ولی کی سادگی نے دہلی کے شعراء پر بھی اثر ڈالا۔ میر و سودا کے عہد میں فارسی کی تمام اصنافِ سخن رائج تھیں اور فارسی و ہندوستانی دونوں اسالیب کے خمیر سے شاعری کی مضبوط روایت پروان چڑھ رہی تھی۔ اس عہد کی شاعری کے موضوعات عشق و تصوف کے علاوہ عیش و ہوس پر بھی مبنی تھے۔ دربار سے کچھ وارستگی ہونے کے باعث اٹھارہویں صدی کے ادب میں تصنع اور تکلف بھی کم ہو گیا۔ اس صدی میں صنعتِ ایہام کو بھی قدرتِ زبان کے اظہار اور تفننِ طبع کی غرض سے برتا گیا۔ اگرچہ شعراء نے اسے اپنایا لیکن اس کی مخالفت اور اصلاحِ زبان کا رجحان بڑھا گویا اس صدی کی ادبی فضا متحرک رہی۔

دکن کی شعری روایت ولی تک آتے آتے شعری جمالیات کا جو سفر طے کر چکی تھی۔ وہ شمالی ہند میں مزید کٹھالیوں سے گزری اور بتدریج نکھرتی چلی گئی۔ الفاظ تراکیب محاورات کی تراش خراش کا عمل جاری رہا۔ زبان کے تصرفات میں دِلّی کے شعرا کا لسانی شعور بھی کارفرما ہے۔ سراج الدین خان آرزو جو عہد مغلیہ کے معروف شاعر فرہنگ نویس اور ماہر لسانیات تھے۔ ان کے متعلق ڈاکٹر سیّد عبد اللہ لکھتے ہیں:

> ”آرزو کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستانی زبان کی لسانی تحقیق کی بنیاد رکھی۔ ہندوستانی فیلالوجی کے ابتدائی قواعد وضع کیے اور زبانوں کی مماثلت کو

دیکھ کر ان کے توافق اور وحدت کا راز معلوم کیا۔ اس کے اصول ان کی کتاب مثمر میں تفصیل سے ملتے ہیں۔"(۱)

اس صدی کے اہم شعرا پر اس کے اثرات سے متعلق ڈاکٹر الف۔ د نسیم کی یہ رائے دیکھیے:

"خان آرزو کو زمانے کے نئے لسانی اور ادبی تقاضوں کا شدت سے علم، اعتراف اور احساس تھا اور غالباً اسی کے زیرِ اثر انھوں نے اپنے حلقۂ اثر میں کچھ ایسے نوجوان شاعروں کی تربیت بھی کی جنھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں نئی زبان اُردو کو فارسی سے ٹکر لینے کے قابل بنا دیا ہے۔ میرزا رفیع سودا، میر تقی میر، خواجہ میر درد، شرف الدین مضمون، شاہ مبارک آبرو، حسن علی شوق، مصطفیٰ خان یک رنگ، آنند رام مخلص اور کچھ اور لوگ اسی ادارۂ مجسم کے تربیت یافتہ تھے۔"(۲)

فارسی سے اُردو کی طرف لسانی سفر کے حوالے سے یہ ارتقائی مراحل بڑے اہم ہیں۔ اٹھارہویں صدی کی شاعری میں عوام کی زبان کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے میر کی غزل میں اثر آفرینی کے جن وسیلوں کی نشاندہی کی ہے ان میں اوّل "عام زبان" ہی کو قرار دیا ہے۔(۳) امتدادِ زمانہ کے ساتھ اُردو زبان سے بھدا پن، کرختگی، تلفظ اور لہجے کی دقت جاتی رہی۔ یوں ہندی بولی اور فارسی زبان کے میل سے اپنی شائستہ صورت کو پہنچی۔(۴)

انیسویں صدی میں دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح ادب میں جو انقلابات آئے ان میں تقلید، مرعوبیت یا اصلاح اور مخالفت کے عوامل اثر انداز رہے جبکہ اٹھارہویں صدی کا اُردو ادب ایک بااعتماد ادبی روایت کا عکاس ہے جو فطری روش پر ارتقا پاتے ہوئے ایک زبردست اثر انگیز قوّت کا درجہ رکھتی ہے۔

۱۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، مباحث، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۲۱ء، ص: ۴۲

۲۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، بارہویں صدی ہجری میں دلی کا شاعرانہ ماحول، اُردو اکیڈمی، لاہور: ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳۰

۳۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ولی سے اقبال تک، سنگِ میل، لاہور: ۲۰۱۴ء، ص: ۸۷

۴۔ مولوی عبدالحق، قواعد اُردو، مشتاق بُک کارنر، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص: ۰۸

اٹھارہویں صدی سے قبل اردو نعت کا منظر نامہ

اردو شعر و ادب کی تاریخ دکن سے شروع ہوتی ہے۔ نعتیہ شاعری کی ابتدائی نمونے بھی دکنی شاعری میں دستیاب ہیں۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب نعتیہ کلام فہرست مخطوطات پر مشتمل کتابوں اور ادبی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے بعینہٖ شاہ میراں جی شمس العشاق، خوب محمد چشتی، عبد الملک بھروچی، کا نعتیہ کلام بھی انھی ماخذ میں موجود ہے۔ اپنے عہد کی دیگر شعری خوبیوں کے علاوہ تصوف کی روح ان شعرا کے کلام میں جاری و ساری ہے۔

گیارھویں صدی ہجری سے نعت گوئی کے اس سرمائے میں واضح اضافہ نظر آتا ہے۔ دکنی شعرا میں قلی قطب شاہ، عبدل، شاہی، نصرتی، ہاشمی، وجہی، عبد اللہ قطب شاہ، غواصی، احمد، بلاقی، مختار، طبعی، ابن نشاطی، فتاحی اور قدرتی کے ہاں مثنوی کی ہیئت میں نعتیہ کلام موجود ہے۔ ان شعرا نے مثنویوں میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار شامل کیے ہیں نیز بعض شعرا نے ذکرِ معراج کے الگ عنوان سے مزید اشعار لکھے ہیں۔ ان کا شمار بھی نعتیہ شاعری میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دکن میں معظم، مختار، ہاشمی، بلاقی، محمد بن مجتبیٰ مہدوی، شاہ کمال الدین کمال، ابوالحسن قربی نے مثنوی کی ہیئت میں باقاعدہ معراج نامے لکھے۔

خوشنود، مختار اور احمد نے نور نامہ، فتاحی اور قاسم نے مولود نامہ، قدرتی نے قصص الانبیا مثنوی کی ہیئت میں لکھیں۔ علی بخش دریا، میر فیاض ولی ویلوری نے وفات نامے بھی لکھے۔ نصرتی کے دیوان میں قصیدۂ معراجیہ بھی موجود ہے۔ دکن کے شاعر شریف محمد مفتون کے دیوانِ قلمی میں تین نعتیہ قصائد کا بھی ذکر ملتا ہے۔ البتہ اس عہد کا بیشتر سرمایہ مثنوی کی صورت میں ہے۔ افسر صدیقی امروہوی اپنے مضمون اردوئے قدیم اور نعت گوئی میں قلی قطب شاہ کو مستقل نعت گو اور کامیاب شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "محمد قلی کو بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی وہ پہلا شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کے معیار کے مطابق رکھا اور مستقل طور پر پانچ غزلیں لکھیں جن کے اشعار کی تعداد ۴۳ ہوتی ہے مزید بر آں اس کی اکثر غزلوں کے مقطعات ہادیِ دین کے ساتھ دلی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔"[1]

۱۔ ماہِ نو، کراچی، سیرت رسولؐ نمبر، جولائی ۱۹۶۳ء، ص: ۱۱۲

دکنی نعتیہ ادب کا ایک اہم پہلو منظوم سیرت نگاری ہے۔ان طویل مثنویوں میں نورِ محمد ﷺ ولادت رسول، بعثت، ہجرت، معجزات اور وفات سے متعلق تفاصیل موجود ہیں۔ مولانا باقر آگاہ نے ہشت بہشت، کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا نوازش، علی شیدؔا نے ''اعجاز احمدی'' چار جلدوں میں لکھی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''جنوبی ہند کے نعت نگاروں نے نعت کو فنی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ رُشد وہدایت کا ذریعہ بنایا، تبلیغ واصلاح کے مقاصد اور زبان کی قدامت کے باوجود جنوبی ہند کے نعتیہ کلام میں اعلیٰ فنی معیار کے حامل نمونے بھی مل جاتے ہیں جن میں محاسنِ شعری کے علاوہ کیف واثر کے عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ ایک صنفِ شاعری یا فن کے طور پر نہ سہی ایک موضوع کے طور پر نعت مقبول ومروّج رہی۔''(۱)

لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ جنوبی ہند کی شعری روایت میں دیگر اصناف کی طرح صنفِ نعت کا گراں قدر سرمایہ ہر دور میں اہمیت کا حامل رہے گا۔ محققین وناقدین کی مکرّر توجہ سے یہ بات بالتفصیل سامنے آئے گی کہ آئندہ ادوار میں نعتیہ شاعری کے ارتقاء کا مدار انھی تخلیقات پر تھا۔ دکنی شاعری کے اس نعتیہ سرمائے کا ذکر یہاں اختصار سے کیا گیاہے۔نعت پر لکھے گئے تحقیقی مقالات اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق)، اردو میں نعت گوئی (ڈاکٹر ریاض مجید)،اردو شاعری میں نعت (ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتحپوری) میں اس عہد کی نعتیہ شاعری پر مفصل گفتگو کی گئی ہے ان مقالہ جات میں شامل مثالیں جو قلمی مخطوطات یا محققین وماہرینِ لسانیات کی کتب سے لی گئی ہیں، انھیں یہاں دہرایا نہیں گیا۔دکنی روایت کے آخری عہد میں ولی دکنی کے ہاں شمال وجنوب کے یہ دھارے مل گئے اور اردو شاعری ارتقا کی نئی راہوں پر گامزن ہوئی ،زیرِ نظر کتاب میں اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ وؔلی اور ان کے معاصرین سے شروع کیا گیاہے۔

۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اُردو میں نعتیہ شاعری، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص:۲۶۴

اٹھارہویں صدی میں اُردو نعت کا اسلوبیاتی مطالعہ

اٹھارہویں صدی عیسوی میں اُردو نعت کے اسلوب کا معروضی مطالعہ کیا جائے تو زبان کی ساخت، معیارات اور انتخاب کے متعلق کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ شعرا کے نعتیہ کلام میں مستعمل آوازیں، مخارج اور طریقِ ادائیگی کے اعتبار سے کس نوعیت کی ہیں۔ صوتی آہنگ کا کیا اہتمام ملتا ہے۔ مصرعوں میں الفاظ کی ترتیب، اسماء و افعال کے استعمال یا شاعر کے بیانیہ و خطیبانہ انداز کا جائزہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس عہد کی نعتیہ شاعری میں دیسی الفاظ کے علاوہ عربی و فارسی تراکیب کا استعمال بھی ملتا ہے۔ نیز معنوی سطح پر شعرا نے عام فہم بامحاورہ اور روزمرہ کی زبان استعمال کی ہے۔ الفاظ کو موثر معنوی سیاق و سباق میں استعمال کیا ہے۔

اٹھارہویں صدی میں اُردو اور فارسی زبان کے ادبی و تہذیبی ادغام سے اردو شاعری کا قالب ممیز و ممتاز ہوا۔ فارسی عروض اور اصنافِ سخن سے اخذ و اکتساب نے اُردو شاعری کے لیے بھی اظہار کا دامن وسیع کر دیا۔ زبان و بیان کے اعتبار سے اٹھارہویں صدی کے ابتدائی شعرا اور سترہویں صدی کے آخری شعرا کی ریختہ گوئی میں فرق کم رہ جاتا ہے۔ محمد اکبر الدین صدیقی نے دیوانِ عشق اورنگ آبادی کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ”لسانیات کے طالب علم کے لیے عالمگیر سے پہلے اور بعد کے دور میں کافی فرق نظر آتا ہے۔ بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں شمالی اور جنوبی خصوصاً اورنگ آباد کے شعرا میں نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا البتہ حیدرآباد کے پایۂ تخت قرار پانے کے بعد لسانیاتی تغیرات شروع ہوتے ہیں۔ سراج اُن کے معاصرین اور اُن کے بعد کے دور کے کلام کا مطالعہ اس کا ثبوت فراہم کرے گا۔“(۱)

جس طرح دکنی شاعری میں عوام کے لب و لہجے کا استعمال روا تھا۔ اسی طرح شمالی ہند کی ابتدائی شاعری میں فارسی کے فعل و حرف کا استعمال، درست تلفظ کے بجائے۔ الفاظ کو

۱۔ دیوانِ عشق اورنگ آبادی، مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی، ادارہ ادبیات اُردو، حیدرآباد، ۱۹۶۰ء، ص:۰۶

اس تلفظ کے ساتھ باندھنا جس میں عوام بولتے ہیں، قدیم طرز پر جمع بنانے کے قاعدے، علامت فاعلی 'نے' کا حذف، فعل کی مختلف صورتیں، الفاظ کا قدیم املاء، ضمائر اور مصادر کے استعمال میں تنوع اور متروک الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں اسلوب کا صوتی تجزیہ کیا جائے تو مصرعوں میں صوتی ہم آہنگی کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک ہی آواز سے مصرعوں کا آغاز:

محمد معدنِ رازِ نبوت
محمد مخزنِ سرِّ رسالت
محمد مفخرِ اولادِ آدم
محمد موجبِ ایجادِ عالم

(آفتاب شاہ عالم ثانی)

شعر کے پہلے مصرعے میں جس لفظ سے آغاز ہوتا ہے، دوسرے مصرع میں اسی آواز کا جزوی یا مکمل اعادہ:

مقصود ہے علی کا ، ولی کا سبھی کا تو
ہے قصد سب کو تیری رضا کے حصول کا
(میرؔ)

حسنِ ازل کا مظہر بے واسطہ وہ سرور
ہر حسنِ جگ میں یکسر پرتو ہے اس بہا کا
(قربیؔ)

شعر کے مصرعوں کے اندر آوازوں کی تکرار سے روانی پیدا کرنا:

سرِ باطن ، ظہورِ ظاہر
ذات اس کی مطہر و طاہر

(ط،ظ کی تکرار) راسخؔ

جنابِ کبریا میں کر کے زاری
طلب کرتے تھے آمرزش ہماری

(ز،ر کی تکرار) رنگینؔ

کیا پیرِ خرد نے موجب خم پشتِ گردوں کا
یہ بختی بار کش رہتا ہے اسبابِ محمد کا

(ب،خ،ش کی تکرار)سوداؔ

پڑھیے درود حسنِ صبیح و ملیح پر
جلوہ ہر ایک پر ہے محمد کے نور کا

(ہ،ح کی تکرار)سوداؔ

ایک ہی آواز پر ختم ہونے والے الفاظ کا زیادہ استعمال:

تجھ سے جویائے کرم عاصم اثیم
سخت حاجت مند ہیں ہم تو رحیم
ملتفت ہو تُو ، تو کاہے کا ہے غم
تو رحیم اور مستحقِ رحم ہم

(میرؔ)

اضافتی ترکیبات میں دونوں لفظوں کا ایک ہی آواز سے شروع ہونا مصرعوں میں روانی کا باعث ہے۔ چند مصرعے دیکھیے:

ع یا نبیِ عربی شاہِ شفاعت مسند (میر اسد علی تمنا)

ع کر شرابِ شوق سیں مدہوش مجھ کو یا حبیب (سراج اورنگ آبادی)

ع جس روز کہ شافع ہو تو اعمالِ امم کا (قائم)

ع عذر خواہِ جرم ہوا ے افتخارِ اکرمیں (راسخ)

ع سریرِ سلطنت تکیہ ہے گویا تیرے مسند کا (ناسخ)

ع امی عالم العلوم، ناسخِ نسخہ ہائے پیش (حسرت عظیم آبادی)

ع یہی سبب ہے کہ روپے کا رنگِ رُو ہے سفید (قائم)

ایک مصرعہ میں ایک لفظ کا دو بار استعمال آوازوں کی تکرار پیدا کرتا ہے:

ع کچھ نہ ہوتا، تُو نہ ہوتا تو ازل تھا نہ ابد (میر اسد علی تمنا)

ع نہیں حدِ بشر کہنا ترے اوصافِ بے حد کا (ناسخؔ)

ع رسائی کب ہے اندیشے کو یاں جز نارسائی کے (مہ لقا چندا)

ع کیا جس نے ماہِ دو ہفتہ کو دو (ناسخ)

زہے شفیع کہ گر ہو نہ اُس سی چشمِ کرم
تو اک جہان تباہ کار کا تباہ ہو کام

(قائم)

تری سخا کے سبب کیسہ ، ہر تہی کیسہ
رکھے ہے ماہ سے ماہی تلک پُر از دینار

(جوشش عظیم آبادی)

آوازوں کی تکرار کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک لفظ شعر کے دونوں مصرعوں میں استعمال ہوتا ہے:

عجب ذات مقبول کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے

(سراج اورنگ آبادی)

اپنے اوپر لامکاں صد عرش بالیدہ ہوا
کیوں نہ ہو بالیدہ شاہا پاوے جب تجھ سا مکیں

(راسخ)

طویل مصوتوں سے کلام میں روانی:

عرش کا پایہ کیا معراج نے تیرے بلند
وسعتیں کرسی کی جو تھیں اور افزوں ہو گئیں

(راسخ)

وہ مظہرِ فیاض کے انعام سے جس کے
کیسہ ہو جواہر سے تہی معدن و یم کا

(بیدار)

ہونے نہ دے غروب ایک بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرصِ مہ تمام دو

(سودا)

بلند اس کا وہ ایوانِ مراتب ہے کہ نئیں اس جا
خیالِ ساکنانِ عرش کو یارا رسائی کا

(جرأت)

صوتیات کی سطح پر شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے لامحالہ لفظ یا حرف ہی گفتگو کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اور ہم محض آوازوں کو پیشِ نظر نہیں رکھ پاتے۔ مسعود حسین خان نے اپنے تدریسی تجربے کی روشنی میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

> "اردو کے طالب علم کے ذہن میں حرف و صوت کا باہمی تعلق بہت دیر میں واضح ہوتا ہے۔ حرف ذہن پر اس قدر مسلط رہتا ہے کہ وہ اُردو کی بنیادی آوازوں کو دیر میں پہچان پاتا ہے۔۔۔ ہمارے فلسفۂ قواعد کے تمام پہلوؤں پر 'حرف' کا تصور چھایا ہوا ہے جب کہ بنیادی طور پر زبان تقریر ہے نہ کہ تحریر۔"(۱)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صوتی ہم آہنگی کے یہ نمونے غزل اور مثنوی میں جابجا ملتے ہیں۔ جہاں نعت قصیدے کی ہیئت میں لکھی گئی وہاں اگرچہ صوتیات کے اعتبار سے روانی کی مثالیں بھی کم نہیں لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں ادق الفاظ اور بندشی آوازوں کی کثرت نے شعر کو رواں نہیں رہنے دیا۔ مثلاً:

قبولِ دیں ہو نہ اس کا اگر مدِ ولود
لعاب نطفہ تہوع سے ڈال دیں ارحام

(قائم)

نشانہ ہووے جو کف الخضیب کی خنصر
کرے سب اس کی وہ ابہام تک فگار انگشت

(مصحفیؔ)

اٹھارہویں صدی کے شعرا کی نعتیہ شاعری میں وہی لسانی خائص موجود ہیں جو دیگر اصناف میں دکھائی دیتے ہیں۔ صوتی اعتبار سے فصاحت، سلاست، روانی اس شاعری میں موجود ہے مخصوص آوازوں کی تکرار مصوتوں اور مصمتوں کا تناسب، مرکب اضافی یا

۱۔ مسعود حسین خاں، مضمون: اردو صوتیات کا خاکہ، مشمولہ: اردوئے معلّٰی، لسانیات نمبر شعبہ اُردو دہلی یونیورسٹی مرتبہ: خواجہ احمد فاروقی، شمارہ ۵، ۴، جلد سوم، ص: ۱۱۱، ۱۱۰

مرکب عطفی میں دونوں لفظوں کا ایک حرف سے شروع ہونا کھلے رکنوں کے استعمال سے موسیقیت پیدا کرنا۔ ان سب کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

صرفی ونحوی سطح پر اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں الفاظ اور مصرعوں کی ساخت کے عمل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیرایۂ بیان میں شعر آکا رجحان پیچیدہ ہے۔ یہاں نعت کہتے ہوئے اوصافِ پیغمبر ﷺ کے بیان میں پیچیدہ ساخت کے حامل الفاظ زیادہ مستعمل نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ صفات کا متواتر ذکر کرنے کے لیے مرکب الفاظ ہی کے ذریعے ایجاز و ایمائیت پیدا ہوتی ہے۔ پیچیدہ الفاظ کے استعمال کی چند صورتیں یہ ہیں:

سابقوں یالاحقوں پر مشتمل الفاظ:

مقتبس اس کے نور کا تھا ارنی کا نعرہ زن
بازوئے زورِ نور بخش تھا وہی دستِ بُت شکن

(حسرت عظیم آبادی)

وہی مخرب ہے لات و عزّا کا
سرنگوں ساز قصرِ کسرا کا

(راسخؔ)

شبِ سیاہ میں زورق شکستہ بادیہ تند
ہے آگے قلزم و پیچھے نہنگِ خوں آشام
جو ایسے وقت میں تو ہی نہ دست گیر ہو تو
امید کس سے رکھے یاوری کی پھر یہ غلام

(قائم)

حروفِ عطف کے استعمال کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ کہیں دو مختلف صوتی اکائی رکھنے والے الفاظ کے درمیان عطف واؤ کا استعمال ملتا ہے اور کہیں عطف واؤ کے ساتھ آنے والے دونوں الفاظ ایک ہی آواز سے شروع ہوتے ہیں۔ عطفِ واؤ یا اضافت کے لگاتار استعمال سے طویل مرکبات بھی بنائے گئے ہیں بعض اوقات پورا مصرع اسی طرح تشکیل پاتا

ہے اور بعض جگہوں پر ان طویل مرکبات میں عطف اور اضافت کا بیک وقت استعمال کیا گیا ہے۔ مذکورہ صورتوں کی مختلف مثالیں ملاحظہ کیجیے:

مطلوب ہے زمان و مکان و جہان سے
محبوب ہے ملک کا فلک کا عقول کا

(میر)

عینِ اعیانِ دو عالم ہے محمد مصطفا
مہرِ موجِ استقامت ، ماہِ برج اصطفا

(قربیؔ)

ہادیِ گمرہانِ بدکردار
شافعِ بندگانِ عصیاں کار
چشمِ مشتاق جلوہ گاہِ شہود
کیوں نہ ہو ناظرِ جمالِ ودود

(بیدارؔ)

اے روحِ قوالب و نفوس و آفاق
ظلمت میں عدم کے ہے تیرے سے اشراق

(آگاہؔ)

نثارِ نام احمد تحفۂ جاں
ہے احمد سے فروغِ چشمِ ایماں

(راسخؔ)

ہے حلّ و عقدِ جہاں اس پہ اس طرح موقوف
کہے تو ہاتھ میں اس کے ہے آسمان کی زمام

(قائمؔ)

منیب علی ، نائب کردگار
سرِ لشکرِ انبیائے کبار

(ناسخؔ)

ہادی طائفۂ گمراہاں
فقر سرمایہ و شاہِ شاہاں

(راسخؔ)

اس عہد کی نعتیہ شاعری میں مرکب اضافی کا بہت استعمال نظر آتا ہے۔ اضافت کے ساتھ بنائی گئی تراکیب میں کہیں دونوں الفاظ فارسی و عربی کے ہیں اور کہیں دونوں الفاظ ہندی سے لیے گئے ہیں۔ ہر شاعر کے ہاں تراکیب کی ندرت پسندی ملتی ہے۔ صرف چند شعرا کے نعتیہ کلام سے تراکیب کی مثالیں پیش کرنا کافی ہو گا۔

سوداؔ: قرصِ مہِ تمام۔ منجنیقِ عرش۔ سنگِ تفرقہ۔ پامالِ حسرت۔ دیدۂ زنجیر۔ اندوہِ روزی۔ تکلیفِ مسلمانی۔ مہرِ الوہیت۔ قدِرعنا

قائمؔ: کلفتِ غم، زیرِ غمام۔ اساسِ خانۂ دل۔ دانۂ آتش رسیدہ۔ خراشِ ندامت۔ گوشہ گیرِ خیال۔ سروشِ غیب۔ گوشِ دل۔ قصرِداد۔ وضعِ نوید۔ بارِ حلم۔ دوشِ چرخ۔ جوفِ تخت۔ دستِ جود۔ رنگِ رُو۔ بنائے عیش۔ ساغرِ عیش۔ جامِ طرب۔

راسخؔ: مایۂ تخمیر۔ محیِ دیں۔ افتخارِ اکرمیں۔ سرپرستِ عاصیاں۔ پناہِ طالحیں۔ کوہِ آہنیں۔ برہم زنِ دیں

جرأتؔ: سپہرِ معرفت۔ ایوانِ مراتب۔ خانۂ طاعت۔ شمعِ پارسائی

نظیرؔ: مخبرِ صادق۔ سرگروہِ مسلمیں۔ نزہتِ بُستانِ دیں۔ حبیبِ ذوالمنن

سادہ الفاظ کا استعمال بھی نظر آتا ہے مگر اس کا تناسب کم ہے۔ مثنوی کی رواں دواں بحروں میں بھی شعرا عطف و اضافت کے استعمال سے مرکب الفاظ لائے ہیں۔ سادہ الفاظ کے استعمال کی چند مثالیں یہ ہیں:

آپ بھی عاشق پیغمبر پر ہوا
نور سے اپنے اسے پیدا کیا
اس کی ہستی کا نہ ہوتا گر سبب
تب یہ مخلوقات کچھ ہوتی نہ سب

(رنگینؔ)

جس جگہ پہنچ نہیں کسو کی
فوق اس سے مقام مصطفیٰ کا

(میر آثر)

اٹھا کفر اسلام ظاہر کیا
بتوں کو خدائی سے باہر کیا

(میر حسن)

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں ضمائر کے استعمال کا جائزہ لیا جائے تو ابتدائی عشروں میں ان کی نوعیت بعد کے زمانے سے کچھ مختلف رہی ہے۔ مگر ضمائر کے استعمال کرنے میں کوئی حدِّفاصل یا قدغن معلوم نہیں ہوتی۔ شعرا نے ضمائر کی قدیم و جدید صورتوں کو بیک وقت بھی روا رکھا ہے۔ یہ وصف اُس دور کی غزل میں بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ نعت سے اس کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

جن نے بھیجا ہے ہم کو پیغمبر
کہ ہوا گمرہوں کے تیئں رہبر

(آبرو)

تجھ در پہ آرزو میں سلیمان مثالِ مور
کیوں کر نہ ہو کہ تجھ کو شہِ خسرواں کیا

(حاتم)

بنایا ہے عالم کو او شاد وو
ہے علم لدنی کا استاد وو

(سراج)

رکھا جب سے قدم مسند پہ آ، اُن نے شریعت کی
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

(سودا)

اُمید رکھی بہت میں یاں جس تس سے
مجھ کو نہ کیا پہ زور کسو نے
کہلا کے ترا یہ دکھ اپنا جا کر
کس سے کہوں یارسولِ اکرمؐ کس سے

(قائمؔ)

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں جمع بنانے کے قواعد بھی روایت کے تتبع اور انفرادیت کی آمیزش کے سبب بتدریج تغیر پذیر نظر آتے ہیں۔ ال، وں، یں، ئیاں، لگا کر الفاظ کی جمع بنائی جاتی ہے۔

ہے سب گمرہوں کا وہی رہنما
ہے خیرالوریٰ احمدِ مجتبیٰ

(سراجؔ)

بحرِ عصیاں سے لگایا سب گنہگاروں کو پار
عُذر خواہی میں تری آنکھوں سے جوئیں بہہ چلیں

(راسخؔ)

ہے سب سروراں میں اسے سروری
اسی پر ہوا ختمِ پیغمبری

(سراجؔ)

شاہِ دوجہاں فخر زماں سرورِ پاکاں
ہے کحلِ بصر ذرۂ پا اس کے قدم کا

(بیدارؔ)

جن مرداں کو آنکھیں دیاں ہیں خدا نے وَے
سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا

(میرؔ)

یہاں 'دیِ' فعل کی جمع 'دیاں' اور ضمیر 'وہ' کی جمع 'وے' بھی ملاحظہ ہو۔
یہ زبان ولیؔ کی اس زبان سے مختلف معلوم نہیں ہوتی۔

گر کرے بحر پر غضب کی نظر
ماہیاں جائیں جل کے بھیتر جل
کاملاں سوں سناہوں یہ نکتہ
عشق اس کا ہے ہادیٔ اکمل

(ولیؔ)

واحد لفظ کا جمع کے محل پر اور جمع الفاظ کا واحد کے طور پر استعمال بھی ملتا ہے:

فیض امت پر یہاں تک عام ہے
قم بازنی کا یہاں احکام ہے

(رنگینؔ)

الفاظ کے استعمال کی کئی دلچسپ صورتیں اس صدی کے شعرا کے ہاں دستیاب ہیں۔
ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"قدیم اردو میں ایک عام طریقہ یہ تھا کہ عربی، فارسی، ہندی الفاظ کے ساتھ پن، ہار، یا 'ہارا' کے لاحقے سے اسم فاعل بنا لیتے تھے۔"[۱]

جعفر زٹلی کے ہاں نعت میں اس کی مثال دیکھیے:

محمد پار اتارن ہار سب کا
محمد سرور و سالار سب کا

(جعفر زٹلی)

اٹھارہویں صدی کی شاعری میں مستعمل افعال کی مختلف صورتیں زبان کے بتدریج ارتقا کی عکاس ہیں۔ مصادر کی مختلف شکلیں ہندی، فارسی اور عربی کے اختلاط سے سامنے آئیں وہ بعض صورتوں میں اُردو زبان کا حصہ ہو گئیں اور بعض صورتیں آنے والے دور میں متروک ٹھہریں۔ فعل ماضی، فعل حال، فعل ناقص اور امدادی افعال کو قد آور شعرا نے

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادبِ اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۴ء، ص: ۶۱۷

اپنے انفرادی منشا کے تحت برتا تو یہ تجدّد کا عمل، زبان کی توسیع کا عامل بھی بن گیا۔ افعال کی مختلف صورتیں جو اٹھارہویں صدی کی شاعری کا امتیاز ہیں۔ ذیل میں نعتیہ شاعری سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

کروں نعت احمد کی کر کر احد
کہ ہے خالصِ نور ذاتِ صمد

(عشق اورنگ آبادی)

مطیع امر کا تیرے نہ ہوئے کیوں کہ سپہر
ہے ہفت پشت سے اس خاندان کا وہ غلام

(قائمؔ)

جس کا کھُلا نہ مرتبہ حضرت جبرئیل پر
ہیں گے درود خواں ملک اس کے رُخِ جمیل پر

(حسرت عظیم آبادی)

کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول
تیری رحمت ہے یقینی یارسول

روؤں ہوں شرمِ گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوبِ کار

(میرؔ)

ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبِ محبت
اس نورِ تجلی کی جھلک مجھ کو جھکا لا

(انشاء)

اس کا ملیح رنگ تھا نقدِ صفا کے تئیں محک
بولے ہیں اس کی نعت میں لے کے سماسے تاسمک

(حسرت عظیم آبادی)

جدھر اُس شہنشاہ کا گھر اتھا
اودھر سب خلائق کا جھمّر اتھا

(آگاہؔ)

الفاظ کی تذکیر و تانیث کے ضمن میں بھی اس عہد کی نعتیہ شاعری متنوع رویوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ بعض شعرا ٔنے قدیم انداز کی پیروی میں عوامی بول چال کی صورت ہی کو رائج رکھا۔ الفاظ جس طرح بولے جاتے تھے اس طرح شعر میں باندھے جاتے تھے مگر بعض شعرا ٔنے عوامی بولی کے بجائے ادبی زبان کا تتبع کیا ہے۔ اس صدی کی ابتدا سے وسط تک ایسے نمونے بھی ملتے ہیں جہاں ایک ہی شاعر کے دیوان میں مختلف صورتیں مستعمل ہیں گویا ضرورتِ شعری کے تحت یہ تبدل گوارا کر لیا جاتا تھا۔ میر و سودا کے عہد تک آتے آتے بھی ہمیں تذکیر و تانیث کی ایسی صورتیں ملتی ہیں جو موجودہ زمانے میں حتیٰ کہ اس زمانے میں بھی تقریباً غیر مروّج تھیں۔

الفاظ کے تلفظ کے حوالے سے بھی یہی صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ ایک ہی لفظ مختلف تلفظ کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ شعرا نے مذکورہ بالا سیاق و سباق میں تذکیر و تانیث کی طرح، الفاظ کے تلفظ میں بھی اختلاف رکھا ہے۔

ولیؔ کے ہاں تذکیر و تانیث اور تلفظ کی ایسی کئی مثالیں ہیں:

تجھ نور کی بخشش ستی یہ سُور ہور چندا ہُوا
تیری زلف کی باس سوں یہ مشک ہور عنبر ہُوا

(ولیؔ)

ڈاکٹر جمیل جالبی ”ردِ عمل کی تحریک“ کے باب میں لکھتے ہیں:

”اب تک ضرورتِ شعری کے لیے متحرک لفظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک باندھنا کوئی عیب نہیں تھا۔ اب اس بات پر زور دیا گیا کہ جو لفظ متحرک ہے اسے متحرک اور جو ساکن ہے اسے ساکن استعمال کرنا چاہیے۔“[۱]

مختلف عشروں میں تلفظ کا فرق دیکھیے:

۱۔ تاریخ ادبِ اُردو، جلد دوم، ص: ۳۵۲

وہ افضل البشر ہے ، وہ شافع حشر ہے
ہر جا وہی نشر ہے ، سالار اصفیا کا
(قربیؔ)

جہاں وہ ہے واں جبرئیلِ امیں
اڑے حشر تک تو پہنچتا نئیں
(میرؔ)

زبان کے حوالے سے اٹھارہویں صدی کی شاعری کا ایک رجحان حروف کا حذف کرنا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

”نے، فاعل کی علامت کے طور پر قدیم ہندی میں کہیں مستعمل نہیں ہوا اور ہندی کی پوری شاخوں میں اس کا وجود نہیں۔ تلسی داس تک کے کلام میں بھی کہیں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ اس کا استعمال اس طور پر غالباً اس وقت شروع ہوا جب کے اردو نے اپنا سکہ جمایا۔“[۱]

اُردو کے سکہ جمانے کے بعد بھی ’نے‘ کا لازمی استعمال دکھائی نہیں دیتا۔ شعرا نے ضرورتِ شعری سے اسے اپنایا یا حذف کیا ہے، یہ رجحان اٹھارہویں صدی کے وسط تک کمزور پڑ گیا اور بعد کی شاعری میں معدوم ہے۔

حق کیا خورشید وحدت کا تجھے
اس سورج کا ایک ذرّہ کر مجے
(قربیؔ)

حذف کی یہی صورت دیگر حروف کے ساتھ بھی ہے:

کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمیں آسماں سب ہویدا کیا
(کے۔ کا حذف)

۱۔ مولوی عبدالحق، قواعدِ اُردو، مشتاق بک کارنر لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۱۳۲

کیا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں

(کی۔کا حذف) سراجؔ

نہ ویسا ہوا کوئی بھی ابتداء
نہ اس باج ہووے گا اب کوئی دوجا

(میں، کا حذف)

اس سوا اور کچھ نہ تھا موجود
کہ رہے آنکھوں کے آگے حق موجود

(کے۔کا حذف) بیدارؔ

اُردو شاعری کا عہد زریں اٹھارہویں صدی ہی کا حصہ ہے لہٰذا بحیثیت مجموعی اس عہد کی شاعری زبان و بیان کے اعتبار سے بطور سند پیش کی جاتی ہے۔ زبانِ شعر کو جو سلاست و روانی اس دور میں میسر آئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ البتہ اس عہد کے شعرا کا مطالعہ کرتے ہوئے جہاں روزمرہ بول چال اور نثر کے قریب مصرعے بے شمار ہیں۔ وہیں فقروں کی ساخت میں نامانوس تراکیب اور الفاظ کی ترتیب میں ادق کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ صورت حال قصائد میں خصوصاً نظر آتی ہے۔ جہاں وہ شعرا بھی طباعی دکھانے کو غریب اور کم مستعمل الفاظ شعر میں لاتے ہیں جن کی غزلیہ شاعری صفائی و سلاست سے عبارت ہے۔ قاعدے سے ہٹ کر الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مثلاً آبرو کا یہ شعر دیکھیے:

اس کو پیچھو کوئی پیغمبر نہیں
کوئی اس کا جہاں میں ہمسر نہیں

(آبروؔ)

حسرت عظیم آبادی کے نعتیہ مخمس سے زبان و بیان کی مثالیں دیکھیے:

جرم قمر کے تئیں کیا جس کی انا ملوں نے شق
صبح صفا و صدق کا سرخ سرخ اس کا تھا شفق

اس کے ضمیر پاک پر کشف تھا سرِ نُہ طبق
ختم رسل خطاب خاص شان اسی کی ہے بحق
صل علی محمد، صل علی محمد

احمد املح عرب عشق خدا کا تھا حبیب
کس کے تئیں یہ مرتبہ اس کے سوا ہوا نصیب
خلعت قرب حق کا تھا باب وہ قد جامہ زیب
منگی اس کے در کے ہیں لے کے غنی سے تا غریب
صل علی محمد، صل علی محمد

آدم اگرچہ پیشتر اس سے تھا ممکن الوجود
پرتوِ نور اس کا تھا ، اس کا بھی باعثِ شہود
ہو ہے سپاہ پیش رو ، شاہ کرے ہے پس درود
صبح دوم نخست سے دیکھ رہے ہے کیا نمود
صل علی محمد، صل علی محمد

اٹھارہویں صدی کی شاعری میں لفظیات سے متعلق کچھ باتیں گزشتہ صفحات میں بھی زیرِ بحث آچکی ہیں۔ اس صدی کی شاعری میں مختلف مرحلوں پر لفظوں کے انتخاب میں شعرا کے ہاں بہت گہرا فرق موجود نہیں۔ ابتداً دکنی زبان کے اثرات سبھی شعرا کے ہاں ملتے ہیں۔ بتدریج ایہام گوئی کی تحریک اور اصلاحِ زبان کی تحریک کے زیرِ اثر زبان مزید تغیرات سے آشنا ہوئی۔ سبھی اہم شعرا ہندی الفاظ کو بھی تصرف میں لائے نیز فارسی و عربی الفاظ کو بھی ریختہ کے لہجے میں بحسن وخوبی پیوست کیا۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی دلچسپ رائے دیکھیے:

”فارسی کے فقروں اور محاروں کو بے تکلف اردوانے کا رجحان جو اٹھارہویں صدی کے بعد تک بھی نظر آتا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ شمال کے اردو شعرا کے ذہن میں فارسی فقرہ پہلے آتا ہوگا پھر وہ اس کی ہندی بناتے ہوں گے۔“(۱)

۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، اردو کا ابتدائی زمانہ، آج پبلی کیشنز، کراچی: ۲۰۰۵ء، بار سوم، ص: ۱۴۲

چونکہ یہ اُردو کے اہم ترین شعراؔ کا عہد ہے لہٰذا ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ جہاں اشعار میں محض بھرتی کے الفاظ موجود ہوں اس کے بجائے کم لفظوں میں زیادہ خیال اور ایجاز و ایمائیت کو مد نظر رکھا گیا ہے تکرارِ الفاظ کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ صوتیات کے ضمن میں ان مثالوں کا ذکر آچکا ہے یہاں ان کا دہرایا جانا باعثِ طوالت ہوگا۔

بعض الفاظ مثلاً ایدھر، اودھر، کیدھر، جیدھر کے ساتھ ساتھ ان کے جدید صورتیں یعنی جدھر، کدھر، ادھر بھی بیک وقت مستعمل ہیں۔ کسو، کبھو کے ساتھ کسی، کبھی، بھی اٹھارہویں صدی ہی کے شعرانے استعمال کیا ہے۔ بعض الفاظ ٹک، کنے، لوہو، وو ہیں، ووں تاوغیرہ کا استعمال میر وسودا کے عہد تک ملتا ہے بعد میں ان کا استعمال ترک ہو گیا۔

ولیؔ تک کی شعری روایت میں کوں، کد، بھیتر، سیں، جس، تس، باج، دوجا، جیوں، اچھے، اچھو اور ایسے کئی الفاظ جو مستعمل تھے وہ شمالی ہند کی ابتدائی شاعری میں بھی موجود ہیں۔ اگلے برسوں میں ان کا استعمال ترک ہوا:

خاتم الانبیاء محمد ہے
کوئی اس سا جہان میں کد ہے

(آبروؔ)

شرع اس کی تے اور شرع تمام
باطل اور شر کر دیے گمنام

(آبروؔ)

اس کی مداحی سب کو ہے منظور
پر نہ اس میں کسو کو ہے مقدور

(بیدارؔ)

ہے ذات اس کی مطلق اوچ عہد اور وہی حق
حق سے کہتا ہوں یو حق نیں یوں بچن ریاکا

(قربیؔ)

آسماں او ہے ، زمیں او ، بحر و بر ، معدن وہی
دُر وہی ، گوہر وہی ، بجہ توں وہی ہے جابجا

(قربیؔ)

یا محمد تجہ کرم سیں ہوں سدا امیدوار
جلوۂ ایمان دے اور بھید کہہ انسان کا

(سراجؔ)

شہِ دوسرا میں تمارا چہ ہوں
بھلا ہور برا میں تمارا چہ ہوں
کرم تم کریں ناں تو کاں جاؤں میں
بجز در تمارے کدر دھاؤں میں

(قربیؔ)

الفاظ کے استعمال میں اٹھارہویں صدی کے شعرا کے ہاں نت نئی صورتیں ملتی ہیں۔ ایک ہی مصرعے، ایک ہی شعر یا ایک ہی نعتیہ غزل کے اشعار میں مختلف ذائقے مجتمع ہیں، عربی و فارسی الفاظ و تراکیب، فارسی و ہندی الفاظ کا یکجا استعمال، ہم شکل الفاظ کا استعمال اور منفرد تراکیب کے علاوہ مشتقات بنانے کا بھی منفرد رجحان بڑے شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ تکرارِ الفاظ خود ایک صفت ہے جس سے بعض اوقات مزید کوئی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خصوصیات کی بالترتیب مثالیں ملاحظہ ہوں:

جو کوئی درگہِ عالی کا تیری ہو زوّار
لگے پلک سے پلک پھر نہ اس کی آئنہ وار
سپہر پایہ ہے وہ آستاں ترا جس میں
ستارہ وار ہیں گل میخ دیدۂ بیدار
تراوہ ابرِ کرم خلق پر ہے سایہ فگن
بجھا دے آتشِ دوزخ کو جس کی ایک پھُہار

(جوشش)

نہ ہوتی آب ریز اس کی اگر چشم
نہ سرد ہوتی خدا کی آتشِ خشم

(راسخؔ)

میں وہ عاصی ہوں کہ ہوتا گر نہ تُو میرا شفیع
کرتے روزِ حشر مجھ کو پیش خیل فاسقیں

(راسخؔ)

جرم کی کھو شرمگینی یارسول
اور خاطر کی حزینی یارسول

مجرمِ عاجز ہوں کرٹک تقویت
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت

رُوسیاہی جرم سے ہے بیشتر
رُو سفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر

(میرؔ)

دیوانِ ولیؔ جو شمالی ہند میں ریختہ گوئی کا محرک ہے اس کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کا بہت استعمال ملتا ہے۔ بعد کے شعرا نے بھی نعتیہ مضامین کی ادائی میں کم و بیش انھی تلمیحات کو دہرایا ہے ان تلمیحات میں انبیائے سابق کے معجزات، آنحضور کے معجزات اور قرآن وحدیث کے متعلق اشارے شامل ہیں۔

کیا کہوں نعت اس شہِ لولاک کی
جس کے باعث ہے یہ عزت خاک کی

(رنگینؔ)

کیا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں

(سراجؔ)

حدیثِ من رأنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو ان نے دیکھی شکل نورانی

(سوداؔ)

جو کوئی چاہے کہے خلاقِ اکبر کی ثناء
من رأنی کی صفت سے کہہ پیغمبر کی ثنا

(عزلتؔ)

فقہ و تصوف کی اصطلاحات بھی اس عہد کی نعتیہ شاعری میں ملتی ہیں:

امکان نہ تھا ممکن و واجب کو سمجھنا
مظہر جو نہ ہوتا تو حدوث اور قدم کا
ہے جرم نہ کردہ کی مرے عفو خریدار
تا گرم ہے بازار تیرے بیع سلم کا

(قائمؔ)

بعض الفاظ و تراکیب جو آج شعری روایت میں مستقل ایک ہی صورت میں مستعمل نظر آتے ہیں ان کے مختلف استعمال کی مثالیں بھی کچھ شعرا کے ہاں نظر آتی ہے۔ مثلاً حسرت عظیم آبادی کے ہاں کونین کے بجائے ''دو کون'' کا استعمال دیکھیے۔

ع ہو، نہ ہوا ہے دوسرا، اس سا دو کون میں مکیں

اسی طرح حضرت ابراہیم پر آتشِ نمرود کا گلزار ہونا ہم سنتے آئے ہیں لیکن شاعر نے گلزار کے بجائے 'چمن' باندھا ہے۔

ع آگ ہوئی خلیل پر لطف اسی کے سے چمن

مترادفات کا یہ انوکھا استعمال معنیات کے حوالے سے بھی اہم ہے۔ جبکہ ایسی

مثالیں بھی نظر سے گزرتی ہیں جن میں الفاظ کے وہ معنی مراد ہیں جو عموماً مراد نہیں لیے جاتے۔ سوداؔ اور مصحفیؔ نے ان اشعار میں 'پیدا ہے' کو 'واضح ہے' کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ علاوہ ازیں 'دلچسپ' کو بھی حسین و دلکش کے معنوں میں لیا ہے۔

نہ ہونے سے جدا سایہ کے اس قامت کے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی

(سوداؔ)

جو خصم ہیں ، بادِ دمِ شمشیر سے اس کی
پیدا ہے کہ شوریدہ تراز برگِ خزاں ہیں

(مصحفیؔ)

سراجؔ کے ہاں 'ایمان لانا' کے بجائے 'دین لانا' کا استعمال دیکھیے۔ یہ طریقۂ استعمال فی زمانہ بلکہ اُس زمانے کے دیگر شعرا کے ہاں بھی نظر نہیں آتا۔

نہ لاتے تھے کافر اول اس پہ دیں
پچھے معجزے دیکھ لائے یقیں

الفاظ کو منفرد چست اور برجستہ سیاق وسباق دینا شاعر کی استعداد پر ہے۔ اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معنیاتی وسعت اور نیرنگی کے امکانات مذکورہ عہد میں بھی فروزاں نظر آتے ہیں۔ الفاظ کو تشبیہی تعلق سے باہم منسلک کرنا، الفاظ کے سماجی معنوں کو مختلف سیاق عطا کرنا۔ شمالی ہند کے ابتدائی شعرا نیز عہدِ زریں کے شعرا میں نظر آتا ہے حتیٰ کہ ولی کی شاعری میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

دائم سخن کے لب اُپر تجھ قول کی شکر رکھوں
ہر دم طبع کی سیس پر تجھ یاد کا افسر رکھوں

(ولیؔ)

غفلت کے تار ہوش کے تیشے سے کاٹ ہم
گلشن بنا کے دل کو تمھارا مکاں کیا

(حاتم)

سجدہ کرے ہیں مہر و مہ در پہ انھوں کے روز و شب
مبر ہن اس سے یوں ہوا داعی ہیں یہ غلام دو
(سوداؔ)

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کے اسلوبیاتی جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صدی میں زبان نے اردوئے قدیم سے لے کر شائستہ اردو تک جو سفر طے کیا املا، تلفظ اور لہجے نے جو ترقی حاصل کی۔ اس کی جھلک نعتیہ شاعری میں بھی برابر جھلکتی ہے۔ اسما، افعال اور حروف کے تغیرات کا بھی علم ہوتا ہے۔ ہندی اور فارسی کی یہ گھلاوٹ اٹھارہویں صدی میں جس خوبصورتی سے عمل میں آئی۔ اس عہد کی نعت بھی اس کی عکاسی کرتی ہے۔ جو اس بات پر بھی دال ہے کہ کسی بھی عہد کے زبان و ادب کے مطالعے میں نعت بھی دیگر اصنافِ سخن ہی کی طرح ادب کے مرکزی دھارے کا حصہ ہے۔

اٹھارہویں صدی میں اردو نعت کا موضوعاتی مطالعہ

صنفِ نعت اسلوب اور فن کے اعتبار سے ہر عہد میں تنوع آشنا رہی ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی عالمگیریت کے سبب نعت کے بنیادی موضوعات زمانی و مکانی تحدید سے مبرّا ہیں۔ ابتدائی اردو شاعری میں بیشتر نعتیہ ادب طویل مثنویات پر مبنی ہے۔ جسے شعرا نے نورنامے، ولادت نامے، معراج نامے، وفات نامے، معجزات اور شمائل النبی ﷺ وغیرہ کی صورت میں لکھا ہے۔ ان تخلیقات میں شعرا کا تخاطب اگرچہ عوام سے ہے مگر ان کا موضوع سرورِ کائنات ﷺ کی خاص الخاص ہستی ہے یہی وجہ ہے کہ سادہ تر انداز میں بھی یکا یک کوئی شعر جذبہ و خلوص کی آنچ سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کثیر اشعار کے مجموعوں میں ایسی مثالوں کا تناسب بہت زیادہ نہ سہی لیکن ان کی موجودگی اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ مثنویات نے اپنے بعد کے عہد کو شعری مضامین مہیا کیے ہیں۔ قدیم دواوین میں مختصر نعتیہ منظومات بھی ملتی ہیں، جو کبھی محولہ بالا میں سے کسی ایک موضوع پر کبھی ایک سے زیادہ موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔

عشق رسول ﷺ کا اظہار اور اوصافِ حمیدہ کا بیان ہر زمانے اور ہر خطے کے نعت گو کا مدعا رہا ہے۔ عصری حالات کے تناظر میں کسی خاص موضوع کی طرف اکثر شعرا کے متوجہ ہونے کی یہ تعبیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ موضوع اِسی عہد میں آغاز ہوا، قدیم عربی شاعری سے لے کر دورِ حاضر کی نعتیہ شاعری تک نعت میں مقامِ رسالت، عشقِ رسول ﷺ اطاعتِ رسول ﷺ سیرت النبی ﷺ اسوۂ حسنہ اور عرضِ حال بحضور سرورِ کائنات کو نعت کا موضوع بنایا گیا۔ صوفیانہ افکار اور مسلکی وابستگیوں کا اظہار بھی ہر عہد میں نعتیہ شاعری کا حصہ رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جدید دور کی شاعری میں نبی کریم ﷺ کے بشری خصائص اور سماجی اخلاق کا تذکرہ بڑھ گیا مگر ایسا نہیں ہوا کہ قدیم طرزِ نعت گوئی یکسر معدوم ہو گیا ہو شعرا کی اپنی اپنی فکری تربیت اور اُفتادِ طبع کی بدولت ہر دور میں نعتیہ موضوعات کی ہمہ جہتی برقرار رہی ہے۔

صوفیانہ افکار:

اردو شاعری کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ درباری سرپرستی میں اس کے فنی لوازم، صنّاعی اور صنعت گری کو جلا ملی تو خانقاہوں کے تعلق سے دنیا کی بے ثباتی کا احساس، عشقِ حقیقی اور روحانی ترفع شاعری کی روح میں سرایت کر گیا۔ بعض شعرا کو تصوف سے بالواسطہ لگاؤ تھا جبکہ بعض براہِ راست صوفیا سے ارادت رکھتے تھے۔ لہٰذا نعتیہ شاعری میں بھی صوفیانہ مضامین شامل ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے جن شعرا کا نعتیہ کلام اس کتاب میں شامل ہے صرف انھی شعرا کے حالات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس صدی میں تصوف کی طرف رجحان کس قدر تھا۔

ان شعرا میں شاہ مبارک آبرو، محمد غوث گوالیاری شطاری کی اولاد میں سے تھے جو شطاری سلسلے کے صوفی استاد اور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔(۱) سیّد عبدالولی عزلت سید سعد اللہ سلونی کے فرزند تھے۔ جو عالم شباب ہی میں رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے تھے اور اپنے جدامجد پیر سید غلام محمد سلونی سے بیعت ہو کر ایک عرصے تک ان کی ہدایت میں رہِ سلوک کی منزلیں طے فرمائیں۔(۲) سراج اورنگ آبادی ایک صوفی اور تارک دنیا کی حقیقت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ تیرہ برس کی عمر میں جذب و خودی کی کیفیت طاری ہوئی اور اس زمانے میں شاہ برہان الدین غریب کے مزار پر حاضر ہوتے تھے۔ بعد ازاں انیتس برس کی عمر میں شاہ عبدالرحمٰن سے بیعت کی۔(۳)

شاہ حاتم میر بادل علی شاہ سے بیعت تھے ان کی خدمت میں جاتے اور رشد و ہدایت سے معمور ہوتے، مرشد کی رحلت کے بعد شاہ تسلیم کے حلقے میں شامل ہو گئے۔(۴) میر تقی میر کے والد علی متقی جو میر صاحب کی تربیت و تعلیم کے اوّلین ذمہ دار ہیں۔ ان کی نگاہِ فیض اثر درویشی سکھانے والی تھی۔(۵) خواجہ میر دؔرد اور میر اثر کا سلسلۂ پدری گیارہ واسطوں سے خواجہ

۱۔ بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص:۲۱۰

۲۔ دیوان عزلت، ص:۰۹

۳۔ کلیات سراج، ص:۳۱

۴۔ دیوان زادہ، ص:۲۵

۵۔ کلیاتِ میر، ص:۱۰

بہاءالدین نقشبندی سے اور پچیس واسطوں سے امام عسکری سے ملتا ہے اور سلسلہ مادری خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیان کے مطابق عبد القادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔[۱] میر محمدی بؔیدار کی طبیعت ابتدا ہی سے تصوف اور علم باطنی کی طرف خصوصاً مائل تھی، جوانی ہی کے زمانے میں طریقۂ چشتیہ قادریہ میں حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے مرید ہو گئے تھے۔[۲] شاہ ابو الحسن قربؔی کے علوم ظاہری و باطنی اور کمالات روحانی سے ایک زمانہ مستفید ہوا جبکہ مولانا باقر آگاہؔ آپ کے خاص الخاص شاگرد تھے۔[۳] قاضی محمود بحری بھی زبردست صوفی تھے۔ دکن کے اہل کمال مستند صوفیوں میں بحری کے پر اسرار اشعار بہت مشہور ہیں۔[۴] شاہ محمد کاظم قلندر بچپن ہی سے ذوق تصوف رکھتے تھے اور شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی کے ذریعے سلسلۂ عالیۂ قادریہ میں بیعت تھے۔[۵] راسخ عظیم آبادی کا دل تصوف سے علاقہ ضرور رکھتا تھا یہ بات ان کے کلام سے مترشح ہے اور تذکرہ نگاروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔[۶] الٰہی بخش معروف نے خاندانی امارت وریاست سے منہ موڑ کر خانقاہی زندگی کو پسند کیا اس دور کے روحانی پیشوا خواجہ ضیاء الدین سے رشتۂ سلوک قائم کیا اور تصوف و معروفت کی منزلیں طے کیں۔[۷] ان شعرا کے نعتیہ کلام میں صوفیانہ عناصر کا جائزہ جائزہ لینے سے قبل صوفیائے کرام کی نعتیہ شاعری میں نمایاں عناصر کو دیکھنا ضروری ہے حافظ محمود شیرانی نے پنجاب میں اردو، میں جو نمونہ ہائے کلام پیش کیے ہیں۔ ان کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> ” صوفیا کرام کی شاعری میں حمد و نعت کی آمیزش تو ہے ہی مگر خالص نعت کے شعروں میں بھی تصوف کا یہ عنصر نمایاں ہے عجمی روایتِ تصوف کے علاوہ اس کا سبب ہندو دیومالا اور صنمیات کا وہ تذکار بھی ہے۔ جو اس عہدِ معاشرت میں

۱۔ دیوان اثر، ص:۳۴

۲۔ دیوان بیدار، ص:۰۸

۳۔ دیوان قربی، ص:۱۶

۴۔ من لگن، ص:۰۱

۵۔ نغمات الاسرار، ص:۰۶

۶۔ دیوان راسخ، ص:۴۴

۷۔ دیوان معروف، ص:۰۸

عام تھا۔ مندروں میں بھجن گائے جاتے تھے اس میں ہندی تصوف کی ہی روح کارفرما تھی۔ صوفیائے کرام اور اس دور کے صوفیانہ ذہن رکھنے والے شاعروں کے نعتیہ کلام میں حمد اور حمد نگاری میں نعتیہ عناصر گھل مل گئے ہیں۔ صوفیانہ مزاج اور اسلوب کا یہ پہلو اس عہد کی شاعری میں عام ملتا ہے۔"[۱]

اس عہد کی نعتیہ شاعری میں انوارِ محمدی کا ذکر اسی پیرائے میں کیا گیا ہے۔ جو حمدیہ شاعری میں انوارِ الٰہی کے لیے روا ہے، صوفیا اور دیگر شعرا کے ہاں اس کی مثالیں دیکھیے:

احد محمد ایک پچھانو
ایک ہی دیکھو ایک ہی جانو

(غلام قادر شاہ)

اوج آسماں زمیں او ، بحر و درِ ثمیں او
در ہر مکاں مکیں او ، کل باغ اصطفا کا
حسنِ ازل کا مظہر ، بے واسطہ وہ سرور
ہر حسنِ جگ میں یکسر ، پرتو ہے اس بہا کا

(قربی)

وہ ختم رسل کہ ہے شہِ دوسرا
ہر گز نہیں نورِ احدیت سے جُدا

(جعفر علی حسرت)

اے موحد ذات احمد کو خدا تحقیق بوجھ
فی الحقیقت ایک ہے رب کے پیغمبر کی ثنا

(عشق اورنگ آبادی)

جو حضرت وحدت میں احد کہایا
صورت کثرت میں ہو احمد آیا

(آگاہ)

۱۔ اردو میں نعت گوئی، ص:۲۷۰

احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی احد
مذہب کچھ اور ہو گا کسی بولفضول کا

(میرؔ)

بصورت اگر عبد مشہود ہے
حقیقت کو پہونچو تو معبود ہے

(میرؔ)

آپ بھی عاشق پیغمبر پر ہوا
نور سے اپنے اسے پیدا کیا

(رنگینؔ)

مسئلہ وحدت الوجود کے مطابق جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے وہ خالقِ حقیقی ہی کی مختلف شکلیں ہیں اور خالقِ حقیقی کے وجود کا حصہ ہے، قطع نظر اس بحث سے کہ اس عقیدے کی اساس اسلامی ہے یا نہیں، یہ بات معلوم ہے کہ مسلمان صوفیا نے اسے اپنایا، اسی تصور سے وابستہ دیگر مسائل ومباحث بھی صوفیا کے علاوہ شعرا اور حکما کا موضوع رہے ہیں۔ صوفیا کے نزدیک خدا کی ذات تنزیہہ وتشبیہ سے متصف ہے۔ تنزیہہ یعنی اللہ تعالیٰ کا تمام قیودو نقائص سے پاک ہونا، تشبیہ یعنی عالمِ مثال میں کوئی ایسی شے جس کی حقیقت صورت سے پاک ہو، صورت کے توسط سے ظاہر ہو۔ اس کے علاوہ ظاہر وباطن اور وحدت وکثرت کا مسئلہ بھی اہم ہے۔

وحدت الوجودی فلسفے کے مطابق وحدت ذاتِ خداوندی ہی نے کائنات میں کثرت کا روپ دھارا ہے۔ ’’ذات وذوات‘‘ کی بحث میں کہا جاتا ہے کہ ذات مستقل وجود ہوتی ہے۔ اور صفت غیر مستقل شے ہے جو کسی مستقل شے سے وابستہ اور قائم ہو کر موجود ہوتی ہے۔ مثلاً قدرت صفت ہے۔ اللہ کی ذات موصوف ہے۔ اکثر صوفیا ذات وصفات کی یکجائی یعنی ایک ہی ذات کے قائل ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور انسان کی حقیقت کے متعلق صوفیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن میں روح کی طرح ہے۔ نیز اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور اوصافِ عالیہ اس کا جمال معنوی ہیں جبکہ مخلوقات اللہ کا جمالِ صوری ہے۔ عالم ہستی کے آئینے میں وہ خود اپنے جمال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ تصوف میں اس نکتے کو شعرا نے یوں سمویا ہے کہ اللہ ہی کا

نور آنحضرت ﷺ کی ذات میں ظاہر ہوا ہے:

کہیں ظاہر ہو مشہور ہویا کہیں باطن ہو مستور ہو یا
کہیں ناظر ہو منظور ہویا ، سب دیکھو نور محمد کا

(غلام قادر شاہ)

وہی نور یہاں آکے ظاہر ہوا
اپس آپ قدرت پہ قادر ہوا

(سراج)

اردو نعت میں اسی سلسلے میں ایک اور مضمون 'احمد بلا میم' کا ہے۔اس کا آغاز بھی صوفیا کی شاعری سے ہوتا ہے۔بعد کے شعرا نے بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے:

احد اِک میم سوں احمد کہایا
وہی احمد محمد نام پایا
اگر او میم کا پردا اٹھا وے
احد احمد منے نا کچھ فرق پاوے
احد احمد میں ہو کر میم گھنگھٹ
کیا وعین گنج راز پر گھٹ

(شاہ تراب چشتی)

توں احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پایا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآن کا

(سراج)

ہے احمد و محمد سرخیل انبیا کا
بے میم احد کو آیا ہے عین اور خدا کا
وہ شاہ اگر عرب ہے بے عین، عین رب ہے
جو کچھ کہے سو سب ہے در لجۂ صفا کا

(قربی)

احمد ہے بلا میم محمد میرا
ذات اس کی بلاشبہ و شک ذات کریم

(جوشش)

معانی قل ھواللہ احد کے ہیں یہاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

(ناسخ)

ہو گیا احمد ہی اپنی میم مظہر سے جدا
اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا

(شاہ نصیر)

اردو نعت میں احمد بلا میم کی غلط توجیہہ پر بات کرتے ہوئے رشید وارثی نے حضرت خواجہ باقی باللہ ﷺ کے قول ''محمد احمد بلا میم است'' کی شرح مجددلف ثانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس وضاحت کے بعد رشید وارثی لکھتے ہیں:

''تنزلات ستہ یا مراتب وجود کے اعتبار سے اگرچہ احمد بے میم کا کنایہ درست ہے لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ذات محمد یہ اور حقیقتِ محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔''(۱)

بعض شعرانے 'انا احمد بلا میم' کو حدیث کے الفاظ بھی قرار دیا ہے۔ مثلاً:

لیا جب نام اپنا بہ تعظیم
یہ فرمایا انا احمد بلا میم

(سودا)

ہے یہی قول انا احمد بلامیم اس پہ دال
ذات تیری ذاتِ حق ہے اس میں کچھ شبہ نہیں

(راسخ)

۱۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص: ۱۱۳

مذکورہ حدیث کے موضوع ہونے کا حوالہ کئی علما کے ہاں ملتا ہے۔الشیخ احمد بن عبدالرزاق الدویش لکھتے ہیں:

> ”جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے میں عین کے بغیر عرب ہوں اور میں میم کے بغیر احمد ہوں اس کی صحت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔کیونکہ یہ صفتِ ربوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے ہے۔لٰہذا کسی مخلوق کے لیے جائز نہیں کہ اس کے لیے رب یا احد کا اطلاق کیا جائے۔یہ صفات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اختصاص ہے۔اور ان کو رسولوں یا کسی اور انسان کے لیے بیان نہیں کیا جاسکتا۔“(۱)

اسی نوعیت کا ایک مسئلہ حدیثِ من رأنی سے متعلق ہے۔اکثر علمانے ”من رانی فقدرای الحق“ کی وضاحت یہ کی ہے کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں آنحضرت ﷺ ہی کو دیکھا۔اس بارے میں دروغِ خیال اور شیطانی اثرات کا قطعاً دخل نہیں ہوتا ہے یعنی جس نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی تو اس نے سچا خواب دیکھا۔ جبکہ یہاں غیر مستند و معتبر روایات پر اکتفا کرتے ہوئے نعتیہ شاعری میں یہ مضمون بیان ہوتا ہے۔کہ جس نے حضور ﷺ کو دیکھا اس نے رب کو دیکھا:

خدا کا اس کو ہم سمجھیں نہ ثانی
کہ اس سے ہے حدیثِ من رانی

(سوداؔ)

حدیث من رانی دالؔ ہے اس گفتگو اوپر
کہ جس نے اس کو دیکھا ان نے دیکھی شکل یزدانی
جو صورت اس کی ہے لاریب وہ ہے صورتِ ایزد
جو معنی اس میں ہیں بے شک وہ ہیں معانیِ ربّانی

(سوداؔ)

۱۔ فتاویٰ الجنۃ، دارالموید، ص:۳۱۱

کروں نعت احمد کی کر کر احد
کہ ہے خالصِ نور ذاتِ صمد
وہ احمد ہے آئینہء سرمدی
کہ دکھلا دیا صورتِ ایزدی

(عشق اورنگ آبادی)

جو کوئی چاہے کہے خلاقِ اکبر کی ثنا
من رآنی کی صفت سے کہے پیمبر کی ثنا

(عزلت)

تصوف کے حامل افکار میں واجب الوجود، ممکن الوجود اور حدوث وقدم کا تذکرہ بھی اٹھارہویں صدی عیسوی کے شعرا کی نعتیہ شاعری میں ملتا ہے، علاوہ ازیں علمِ معرفت کی اصطلاحیں اور حقیقت محمدیہ کے حوالے سے تعینِ اولیٰ، تعینِ ثانی برزخ جامع، ان تمام کو شعرا نے موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر الف د نسیم لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے باطن میں پہلی تجلی مرتبہ ٔ احدیت پر فرمائی ہے یعنی اس مرتبہ پر وہ 'لیس کمثلہ کل شیء' ہے۔ یعنی اس کی مثل کچھ نہیں اسے کوئی عقل، کوئی ادراک اور کوئی وہم اپنی گرفت میں نہیں لا سکتا دوسری تجلی بھی اس نے اپنے باطن ہی میں فرمائی ہے۔ اور اپنے اسماوصفات کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا ہے۔ اس مرتبے کو صوفیا مرتبہ ٔوحدت بھی کہتے ہیں۔ اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ بھی۔ تیسرے مرتبے کی تجلی کا نام واحدیت ہے۔ علمِ خداوندی میں کائنات کا جو نقشہ تھا۔ اور جس کو اس نے حقیقتِ محمدیہ کے آئینے میں دیکھا تھا۔ اس تیسرے مرتبے پر عدم میں منعکس کرکے کائنات کو وجود عطا کر دیا۔ اس مرتبہ ٔ واحدیت کو حقیقتِ محمدیہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ خالق اور مخلوق (اللہ اور کائنات) کے درمیان برزخ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نورِ محمدی ﷺ خلق کرکے پیدا کیا ہے۔"[۱]

صوفیا اور دیگر شعرا کے نعتیہ کلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں:

۱۔ مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال، ص:۵۷

تعین اولیں یعنی وحدت
محمد مصطفیٰ کی او حقیقت
تعین ثانی یعنی عین واحد
ظہورِ احدیت پر ہے شاہد
احد ، واحد میں برزخ ذاتِ احمد
ظہورِ ذاتِ حق اصفاتِ احمد

(شاہ تراب چشتی)

امکان نہ تھا ممکن و واجب کو سمجھنا
مظہر جو نہ ہوتا تو حدوث اور قدم کا

(قائم)

احمد شہِ انبیائے مرسل
دریائے قدم کی موجِ اوّل
انسان العین شخص ایماں
نور مرآت نازک جاں

(راسخ)

عارفانہ کلام کی تفہیم میں عام قاری اور ناقدین کو جن دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے اور شریعت وطریقت کے مفاہیم میں جو فرق پایا ہے۔ اس پر مختلف حوالوں سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں:

”صوفیانہ واردات کا اثر صوفیانہ لٹریچر پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ صوفی حمد لکھے نعت لکھے یا منقبت لکھے اس کی شعری زبان ہمیشہ اس کی روحانی واردات کا آئینہ ہوتی ہے۔ صوفی وہی لکھتا ہے جس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایسے اظہار میں اسے شریعت کی حدود کا بالکل خیال نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں صوفیانہ تحریریں پڑھنے والے قاری یا ناقد کو چاہیے کہ وہ اس کے بیان میں شریعت سے متصادم

خیالات کی نشاندہی کرتے ہوئے کوئی فتویٰ صادر کرنے کے بجائے یہ کہہ دے
کہ یہ خیالات ''شطحیات'' کے ذیل میں آتے ہیں۔''[۱]

اس کے بعد انھوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے۔ گر یہ ان شعرا کا ''حال'' تھا تو ''شطحیات'' کے زمرے میں آئے گا اور، اگر صرف صوفیا کی نقالی تھی تو انھیں خود اپنی نفسی کیفیت پر خجل ہونا پڑے گا۔

حضرت محمد ﷺ کا وجہِ تخلیقِ کائنات ہونا:

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں ایک مشترک موضوع حضرت محمد ﷺ کا وجہِ تخلیقِ کائنات ہونا ہے۔ بیشتر شعرا نے اس کی بنیاد حدیث کی اس روایت پر رکھی ہے:

''لو لاك لما خلقت الافلاك'' اس حدیث کو بعض علما نے لفظاً موضوع اور معناً صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ سید محمد یوسف بنوری نے استدراک کے ساتھ مذکورہ روایت کی حدیثی واسنادی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے (ماہنامہ بینات: جمادی الاول ۱۴۳۸ھ) فرمایا ہے کہ یہ لفظ سے تو حدیث نہیں ہے البتہ اس کے ہم معنی الفاظ سے کتب حدیث میں موجود ہے اور حدیثی واسنادی اعتبار سے اس پر مطلقاً موضوعی کا حکم نہایت مشکل ہے۔ نیز محدثین کی کتابوں میں کتنی حدیثیں ملتی ہیں کہ اسنادی اعتبار سے یا کسی خاص لفظ کے اعتبار سے یا مرفوع ہونے کے اعتبار سے ضعیف وساقط ہیں لیکن معنوی حیثیت سے اور دوسری جہات سے وہ صحیح ہوتی ہیں۔ مذکورہ حدیث کا نعت میں استعمال ہر عہد کے شعرا کے ہاں موجود ہے۔ اٹھارہویں صدی کے شعرا سے اس کی مثالیں دیکھیے:

کہا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملکِ عرفان میں

(سراؔج)

احمد کہ ہے سب سے فوق پا یہ اس کا
لولاک سے حق وصف سراپا اس کا

(عشؔق اورنگ آبادی)

۱۔ نعت رنگ: ۳۲: ص: ۱۴۲، ۱۴۳

علت غائی عرش و افلاک
شان میں اس کی ہے وارد لولاک

(راسخؔ)

افلاک سب پیدا ہوئے افلاک کے الحان میں
تجھ یاد سوں راحت اچھو ہر موموناں کی جان میں

(ولیؔ)

محمد وہ کہ جس کے حق میں لولاک
کہا ہے خالق املاک و افلاک

(ولیؔ)

کچھ نہ ہوتا تو نہ ہوتا تو ازل تھا نہ ابد
شاہدِ حال ہے لولاک ترا یا سید

(اسد علی تمنّاؔ)

حدیثِ لولاک سے ہٹ کر بھی نورِ محمدی کی بہ اعتبارِ تخلیق اولیت میں کسی قسم کا شبہ واختلاف نہیں۔ مفسرین و محدثین اسی کے قائل رہے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا کیا۔ کائنات آپ ﷺ ہی کے واسطے سے وجود میں آئی۔ حدیث (اول ما خلق نوری ۔۔۔) سے متعلق محدثین اور علما کا استدراک موجود ہے۔ مگر نعت میں یہ شعرا کا مرغوب موضوع رہا ہے۔ زیرِ مطالعہ عہد میں بھی کم و بیش سبھی شعرا نے اسے بیان کیا ہے:

کیا حق اُس رسول ارواح خاطر
مرتب چار دیوارِ عناصر

(ولیؔ)

کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمیں آسماں سب ہویدا کیا

(سرآج)

اول خدا نے نور تمھارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا

(خاتم)

اس کی ہستی کا ، نہ گر ہوتا سبب
تب یہ مخلوقات کچھ ہوتی نہ سب
اس کے باعث سے ہوئی یہ کائنات
ہے بنا ہستی کا جو اب تک ثبات

(رنگینؔ)

وہ محمد وارث کون و مکاں
جس کی خاطر یہ بنے دونوں جہاں

(میر حسنؔ)

اگر رہتا مخفی وہ نورِ الٰہ
سیہ رہتا آئینۂ مہر و ماہ
نہ ہوتا اگر ظاہر اس کا وجود
عدم ہی میں رہتی یہ ساری نمود

(راسخؔ)

آفرینش حدقۂ بے چشم رہتی تابہ حشر
گر نہ پیدا کرتا تجھ کو ایزدِ خلق آفریں

(راسخؔ)

حضرت محمد ﷺ فخر انبیاء اور شرفِ انسانیت:

قرآن پاک تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔ تمام نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور ان کے درجے بلند کر دیے انبیاء کو جو فضائل وکمالات، مراتب ومقامات اور معجزات عطا ہوئے وہ اپنی اکمل ترین صورت میں حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ ایک مسلمان، انبیاء میں تفریق نہ کرتے ہوئے، حضور پاک ﷺ کو تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل تسلیم کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی یہ فضیلت ہر عہد کی نعت کے بنیادی موضوعات میں شامل رہی ہے۔ حضور پاک ﷺ کی دیگر انبیاء پر فضیلت کے بارے میں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت وپیروی کارزارِ دہر میں بھی باعثِ فوز وفلاح ہے اور آخرت میں بھی آدمؑ ونوحؑ کے بجائے آنحضور ﷺ کو اذنِ شفاعت عطا ہوگا۔ اردو نعت میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ جہاں شعرا نے انبیائے سابقین کی رفعتِ شان کا استخفاف کیا ہے لیکن ایسے اشعار بھی بکثرت ہیں جہاں توازن فکر سے کام لیا گیا ہے:

انبیاء اولیا سبھی باہم
مل کے اس کے کمال سے ہیں کم

(آبرو)

افضل الانبیا محمد ہے
سب پہ فضلِ عجیب مولا کا

(قربی)

جگت میں اسے سلطنت ہے تمام
جماعت میں ہے انبیاء کی امام

(سراج)

رتبۂ عالی میں دیکھے حق نزیک اپنا کلام
گر کلیم اللہ آ تیری ثنا خوانی کرے

(ولی)

تاروں نے موتی کے طبق پائے ہیں تجھ سوں اے پیا
تیرے کرم کے ہاتھ سوں موسیٰ یدِبیضا لیا

(ولیؔ)

کروں اس کے رتبے کا کیا میں بیاں
کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں

(میر حسنؔ)

عقلِ کُل نے تری درگاہ سے پایا ہے ہوش
تھے نبی اتنے ، ہُوا کون ترا دوش بدوش

(اسد علی تمناؔ)

کیا پیش خیل انبیا کا اسے
دیا مرتبہ حق نے ایسا اسے

(راسخؔ)

مرجع موسیٰ و عیسیٰ و خلیل
صاحبِ منزلت و قدرِ جلیل

(راسخؔ)

نطق لطیف اس کا تھا مرہمِ سینہ ہائے ریش
خلق میں انبیاء سے پیش مرتبہ اس کا سب سے بیش

(حسرتؔ عظیم آبادی)

محمد جگ میں سالارِ رسل ہے
محمد ماہرِ ہر جز و کل ہے

(سوداؔ)

نعتیہ شاعری کا ایک مستقل موضوع آپ ﷺ کا باعثِ شرفِ آدم ہونا ہے، انسانیت کو آپ ﷺ کے دم قدم سے معراج نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کی ذات عظمتِ بشر ہے۔ بعض شعرانے اسے اپنے ہر نعتیہ کلام کا حصہ بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل عرب معاشرہ ظلمت وجہالت کا شکار تھا جو آپ ﷺ کے فیوض وبرکات کی بدولت

انقلابِ عظیم سے گزرا۔ اسوۂ حسنہ ہر زمانے کے انسانوں کے لیے ہدایت و نجات کا سر چشمہ ہے۔ نوع انسانیت آپ ﷺ کی ذات پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنی آپ ﷺ کے اس مقام و مرتبے پر دال ہیں۔ رسول اللہ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ (سورۃ النسا: ۸۰) جو لوگ نبی ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ (الفتح: ۱۰) نعتیہ شاعری سے فخر نوع انسانی کی شان میں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

محمد مفخرِ اولادِ آدم
محمد موجبِ ایجادِ عالم

(آفتاب عالم شاہ ثانی)

کیا کہوں نعت اس شہِ لولاک کی
جس کے باعث ہے یہ عزت خاک کی

(رنگینؔ)

نہ فقط فخر نوع آدم کا
بلکہ ہجدہ ہزار عالم کا

(راسخ)

اے طبیبِ علت ارواح اے فخر بشر
باعثِ ایجادِ عالم اے تعین اولیں

(راسخ)

نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک
نہ پھرتے آسماں گرد سر خاک

(سوداؔ)

بھیجو اس شاہ پر درود و سلام
کہ ہے فخر جہاں وہ خیرِ انام

(بیدارؔ)

آدم اگرچہ پیشتر اس سے تھا ممکن الوجود
پرتوِ نور اس کا تھا، اس کا بھی باعثِ شہود

(حسرت عظیم آبادی)

وہ ہے سرِ ربوبیت کا محرم
وہی ہے اشرفِ اولادِ آدم

(راسخ)

حضرت محمد ﷺ کے معجزات کا ذکر:

اردو نعتیہ شاعری کا معتدبہ حصہ آپ ﷺ کے معجزات کے بیان پر مبنی ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ کم علمی پر مبنی اظہار میں غلو یا استخفاف کی صورتیں پیدا ہوئیں جبکہ صحیح علم کی بنیاد پر شعرا نے معجزات کا ذکر اظہارِ تعظیم کے لیے بھی کیا ہے۔ نیز ان معجزات کی وقعت اور اثرات کی طرف اشارے بھی کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے معجزات بکثرت ہیں۔ نعتیہ شاعری میں معراج النبی اور شق القمر کے معجزات کا ذکر نسبتاً زیادہ اور تواتر سے ہوا ہے۔ ولادتِ رسول اور معراج کے متعلق الگ اور مستقل تخلیقات (جو بیشتر مثنویات کی صورت میں ہیں) غیر تحقیقی رویے کے باعث کج فکری کا باعث رہی ہیں لیکن جہاں شعرا نے سنبھل کر ذکر کیا ہے وہاں اچھی مثالیں پیدا ہو گئی ہیں:

یہ معجزہ ہے کہ اُمّی لقب ہو جو کوئی
اُسی پہ علم لدنی کا آخرش ہو مدار

(جوشش)

موردِ وحی، مصدرِ اعجاز
طائر قدس لامکاں پرواز

(بیدار)

نبوت اُپر اس کے رب جلیل
قمر کے کیا شق کو روشن دلیل

(شیدا)

چادر کو چندر کی پھاڑ دیتا
پیوند پیغمبری کو دیتا

(بحرؔی)

ہر چند محمد ہے مدینے کا مقیم
بیٹھا ہوا تسخیر کرے ہفت اقلیم
اعجاز کروں اُس کا بیاں کیا جوششؔ
جو ایک اشارے میں کرے مہ کو دونیم

(جوششؔ)

جہاں وہ ہے واں جبرئیلِ امیں
اڑے حشر تک تو پہنچتا نہیں

(میرؔ)

میں قصرِ قدر کی اس کے کہوں سو کیا رفعت
کہ پہلی سیڑھی ہے جس کی نہ آسماں کا یہ بام

(قائمؔ)

وہ تقدس کے آسماں کا بدر
وہی مخصوص ہے بہ شق صدر

(راسخؔ)

آسماں تم نے شبِ معراج کو روشن کیا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دی نورِ ضیا
رنگ و بو جنت کے گلشن کی بڑھائی برملا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفیٰ

(نظیرؔ اکبر آبادی)

ظلِ چترِ ابر سے فرق ہمایوں پر ترے
یہ ہوا ظاہر کہ ہے تو خسرو دنیا و دیں
لعل سے نخلِ زمرد کر دکھایا بارور
قدرتیں اس رنگ کس مخلوق کو خالق نے دیں
ہم سخن تجھ سے طعامِ زہر آلودہ ہوا
کی عیاں تجھ پر خدا نے دشمنیٔ اہلِ کیں
سنگ سے باہر نکالا مرغ معجز نے ترے
شق کیا تونے قمر کو روبروئے مشرکیں
تو ہے وہ اے شہ سوارِ عرصۂ قربِ الٰہ
جس سے راہیں آسماں کی طے با آسانی ہوئیں
پہنچا گامِ اولیں واں تو نہ پہنچے تا ابد
جس جگہ ہرگز نگاہِ چشم عقلِ دُوربیں
عرش کا پایہ کیا معراج نے تیرے بلند
دستیں کرسی کی جو تھیں اور افزوں ہوگئیں

(راسخ)

ہرچند کہ عاصی ہوں پہ امت میں ہوں اس کی
ہے جس کا قدم عرشِ معلّیٰ سے بھی بالا

(انشا)

اسے جس بزمِ قدرت تک گزر ہے
ملک واں حلقۂ بیرونِ در ہے
طریق قرب میں پا اس کا واں ہے
بہت پیچھے جہاں سے لامکاں ہے

(راسخ)

نعتیہ قصائد میں معجزاتِ رسول ﷺ کے ذکر میں ارادتاً چنیدہ الفاظ لائے جاتے

ہیں۔ قصیدے کی اپنی فضا اور بلند آہنگی کے علاوہ نادر قافیہ وردیف سے مناسبت کے لیے بھی الفاظ کا منفرد استعمال نظر آتا ہے۔

بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اس کے
نکل گئی سپرِ مَہ سے جس کی پار انگشت
محمدؐ عربی معجزوں کا جس کے کبھی
نہ کر سکے فلکِ پیر کی شمار انگشت

(مصحفیؔ)

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ نعت میں معجزاتِ نبی ﷺ کا ذکر محض رسماً یا قافیہ بندی ہی کے لیے نہیں بلکہ عقیدت اور تعظیم کے اظہار کو دوچند کرتا ہے۔ جہاں شاعر جذبے اور اخلاص سے کام لیتا ہے وہاں انتخابِ الفاظ کی دلکشی شعر کی اولین قرأت میں واضح ہو جاتی ہے۔

درِ رسول ﷺ اور گنبدِ خضریٰ کا تذکرہ:

مدینہ طیبہ اور مسجدِ نبوی کے فضائل احادیثِ نبوی سے ثابت ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

> ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک ایسے شہر (میں ہجرت) کا حکم ہوا ہے جو دوسرے شہروں کو کھالے گا (یعنی سب کا سردار بنے گا) منافقین اسے یثرب کہتے ہیں لیکن اس کا نام مدینہ ہے، وہ (برے) لوگوں کو اس طرح باہر کر دیتا ہے۔ جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے۔“[1]

نبی کریم ﷺ نے مدینہ کو 'طابہ' کا نام دیا۔[2] جس کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ یہ شہر ہر لحاظ سے پاکیزہ ہے۔ آپ ﷺ کی بحکمِ خداوندی مدینہ میں تشریف آوری اور قیام، پھر مدینہ میں روضۂ رسول ﷺ کی موجودگی اس شہر کی تکریم وتقدیس کا باعث ہے، مدینہ طیبہ، مسجد نبوی اور روضۂ رسول پر حاضری جہاں افضل و عظیم عبادات میں سے ہے وہاں شعرائے نعت کے لیے ایک مرغوب تر موضوع بھی ہے۔ مدینہ سے مہجوری اور

۱۔ الصحیح البخاری حدیث: ۱۸۷۱ ص ۱۵۷ جلد سوم

۲۔ ایضاً، ۱۸۷۲

درِ رسول ﷺ پر حاضری کا جذبہ و اشتیاق ہر عہد کی نعتیہ شاعری میں ملتا ہے، اس مبارک سفر کی خواہش اور پھر اس پُر کیف حاضری کو اشعار میں ڈھالنا، مکرّر حاضری کی تمنا کرنا، نعت کا غالب موضوع ہے۔ زیرِ مطالعہ عہد کی شاعری میں ذاتی احساسات کا غلبہ کم ہے جبکہ مدینہ اور روضۂ رسول ﷺ کی افضلیت اور عالی مرتبی کا ذکر زیادہ ہے، نیز شعرا نے درِ رسول ﷺ کی حاضری کو باعثِ شفاعت و نجات تسلیم کیا ہے۔ روضۂ رسولؐ کی زیارت کا سفر جس طرح باعثِ شرف ہے اسی طرح اس کی یاد بھی باعثِ سعادت ہے:

الٰہی بحق رسولِ مجید
گناہاں عفو سے مرے کر خرید
مدینے میں جلدی سے مجھ کو لیجا
تصدق وہ روضے کے تا ہوؤں جا
لے پلکوں کی جاروب جھاڑوں صحن
کروں گرد کو طوطیائے نین
زمیں تر کروں اپنے انجواں کے سات
ملے اس سے مجھ آبروئے نجات

(شؔیدا)

رکھے ہے منزلت یہ آستانِ سرورِ عالم
کہ فخرِ سلطنت ہے مرتبہ واں کی گدائی کا

(جرأت)

جبینِ عرش معلّیٰ ہے سجدہ گاہِ نیاز
اس آستاں پہ کہ سبحان ربی الاعلیٰ

(احسؔان)

ہوئی اس کے قدموں سے قدرِ حرم
فلک اس کے روضے کے آگے ہے خم

(ناسؔخ)

گل گشتِ دو عالم سے ہو کیوں کر وہ تسلی
زائر ہو جو کوئی ترے کوچے کے ارم کا

(قائمؔ)

جوششؔ عظیم آبادی کے نعتیہ قصیدے میں تشبیب کے اشعار دربارِ رسول ﷺ کی شان میں ہیں:

جو کوئی درگہِ عالی کا تیری ہو زوّار
لگے پلک سے پلک پھر نہ اس کی آئینہ وار
ہر ایک زینۂ در ہے کہ رشکِ پایۂ عرش
ملائکانِ مقرّب کا واں نہیں ہے گزار
سپہر پایہ ہے وہ آستاں ترا جس میں
ستارہ وار ہیں گل میخ دیدۂ بیدار
بِنائے گنبدِ عالی ہے ایک قبۂ نور
فرشتے اس کے ہیں مزدور ذاتِ حق معمار
کلس ، کلس نہیں ہے گنبدِ منور کا
گتھے ہیں سینچے میں اس کے سبعۂ سیّار
نظر نہ ٹھہرے ترے مرقدِ مقدس پر
بہ سان طور سراپا ہے وہ تجلی زار
میں راست باز ہوں یہ بات راست کہتا ہوں
دو نردبان فلک اس کے دونوں ہیں مینار
زمینِ صحن مبارک یہاں تلک ہے صاف
نگاہ کیجیے تو فلس سمک تلک ہوشیار
جو دیکھے مہر تو آنکھ اس کی بھی جھپک جائے
جھلک کو ہے یہ ہر وقت ہر در و دیوار
لکھے ہیں آیۂ قرآن سب بر آب طلا
بیان میں نہیں آتا کچھ اس کا نقش و نگار

(جوششؔ)

حضرت محمد ﷺ سے شفاعت طلبی:

نبی کریم ﷺ کو نبیوں میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ ﷺ اذنِ الٰہی سے اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اس سے متعلق کئی احادیث مروی ہیں۔ یہاں ایک طویل حدیث نقل کی جاتی ہے جو حضرت انسؓ سے روایت ہے:

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی طرح جیسے ہم دنیا میں جمع ہوتے ہیں مومنو کو اکٹھا کرے گا (وہ گرمی وغیرہ سے پریشان ہو کر) کہیں گے کاش ہم کسی کی سفارش اپنے مالک کے پاس لے جاتے تاکہ ہمیں اپنی اس حالت سے آدام ملتا۔ چنانچہ سب مل کر آدمؑ کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے آدم: آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے (خاص) اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے آپؑ کو سجدہ کرایا اور ہر چیز کے نام آپؑ کو بتلائے (ہر لغت میں بولنا، بات کرنا سکھایا) کچھ سفارش کیجیے کہ ہم لوگوں کو اس جگہ سے نجات ہو کر آرام ملے۔ کہیں گے میں اس لائق نہیں۔ ان کو وہ گناہ یاد آجائے گا جو انھوں نے کیا تھا (ممنوع درخت سے کھانا) (وہ کہیں گے) مگر تم لوگ ایسا کرو، نوحؑ کے پاس جاؤ وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا تھا۔ آخر وہ لوگ سب نوحؑ کے پاس آئیں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے، میں اس لائق نہیں اپنی خطا جو انھوں نے (دنیا میں) کی تھی یاد کریں گے، کہیں گے تم لوگ ایسا کرو پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جو اللہ کے خلیل ہیں۔ (لوگ ان کے پاس جائیں گے) وہ بھی اپنی خطائیں یاد کر کے کہیں گے میں اس لائق نہیں تم موسیٰؑ پیغمبر کے پاس جاؤ۔ اللہ نے ان کو توراۃ عنایت فرمائی، ان سے بول کر باتیں کیں۔ یہ لوگ موسیٰؑ کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے میں اس لائق نہیں اپنی خطا جو انھوں نے دنیا میں کی تھی یاد کریں گے۔ مگر تم ایسا کرو عیسیٰؑ پیغمبر کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کے خاص کلمہ اور خاص روح ہیں۔ یہ لوگ عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں تم ایسا کرو محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی خطائیں سب بخش دی گئی ہیں۔ آخر یہ سب لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئیں گے۔ میں چلوں گا اور اپنے پرودگار کی

بار گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگوں گا، مجھ کو اجازت ملے گی۔ میں اپنے پروردگار کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اس کو منظور ہے وہ مجھ کو سجدے ہی میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد حکم ہو گا، محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمھاری عرض سنی جائے گی۔ تمھاری درخواست منظور ہو گی تمھاری سفارش مقبول ہو گی اس وقت میں اپنے مالک کی ایسی ایسی تعریفیں کروں گا جو وہ مجھ کو سکھا چکا ہے۔ (یا سکھلائے گا) پھر لوگوں کی سفارش شروع کر دوں گا۔ سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا۔ پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا۔ اور اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھ کو سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہو گا محمد اپنا سر اٹھاؤ جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہو گی پھر میں اپنے پرور دگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اس نے مجھے سکھلائیں (یا سکھلائے گا) اس کے بعد سفارش کر دوں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہو گا محمد اپنا سر اٹھاؤ جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہو گی پھر میں اپنے پرور دگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ نے مجھ کو سکھلائیں (یا سکھلائے گا) اس کے بعد سفارش کر دوں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پرور دگار کے پاس حاضر ہوں گا۔ عرض کروں گا: پاک پرور دگار اب تو دوزخ میں ایسے ہی لوگ رہ گئے ہیں جو قرآن کے بموجب دوزخ میں ہی میں ہمیشہ رہنے کے لائق ہیں۔ (یعنی کافر اور مشرک)۔ انسؓ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ سے وہ لوگ نکال لیے جائیں گے جنھوں نے (دنیا میں) لا الہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں ایک جوَ برابر ایمان ہو گا پھر وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں گیہوں کے برابر ایمان ہو گا (گیہوں، جوَ سے چھوٹا ہوتا ہے) پھر وہ بھی

نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں چیونٹی برابر (یا بھنگے برابر) ایمان ہو گا۔"(۱)

ہر عہد میں نعت گو شعرا اس مضمون کو بروئے کار لائے ہیں اٹھارہویں صدی کے شعرا میں بھی اس کی مثالیں ہر شاعر کے کلام میں موجود ہیں:

دفع کرنے شرارۂ دوزخ
ہے او مفضل نقیب مولا کا

(قربی)

گناہگار ہوں چشم ایک اس سے ہے
توقع شفاعت کی ایک اس سے ہے

(میر)

یاشافع امم یہ تمنا ہے بعد مرگ
رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں

(شیر محمد خان ایمان)

جہازِ دل اگرچہ غرق ہے دریائے عصیاں میں
میسر ہے ولے ساحل محمد ﷺ کی شفاعت کا

(داؤد اورنگ آبادی)

ہر ذرہ ہے خورشیدِ شفاعت کا طبگار
اس سے کہ وہ بخشندہ ہے عصیان امم کا
پہونچائیو واں میرے تئیں حشر میں یارب
سایہ ہو جہاں احمد مرسل کے قدم کا

(بیدار)

ترا وہ ابرِ کرم خلق پر ہے سایہ فگن
بجھادے آتشِ دوزخ کو جس کی ایک بُھوار

(جوشش)

۱۔ الصحیح البخاری حدیث: ۷۴۱۰

جہاں بخشش پہ ہو اس شاہ کا حکم
رکھے کوہِ گناہ واں کاہ کا حکم
وہ بیٹھے جب صفِ محشر کے آصدر
وفور اپنے سے آمرزش ہو بے قدر

(سوؔدا)

بسانِ شمع نہ تھا سایہ اس لیے تیرے
کہ خلق ہوئے گی سائے میں تیرے روزِ قیام

(قائمؔ)

استغاثہ واستمداد:

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کو لازم قرار دیا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کہ اللہ سے بخشش چاہنے اور آپ ﷺ کے ذریعے فریاد کرنے کے متعلق قرآن کا واضح ارشاد موجود ہے:

”اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اللہ ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کو قبول کرنے والا، مہربان پائیں گے“

(النسا:٦٤)

آپ ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد روضہ ٔ اقدس پر حاضر ہو کر مسلمانانِ عالم غموں سے نجات کے لیے عرض گزارتے ہیں۔ شاعری میں آپ ﷺ کے حضور استغاثہ واستمداد کی روایت ہمیشہ سے نعتیہ مضامین کا حصہ رہی ہے۔ اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں استغاثہ کا آہنگ، احساسِ ندامت کے ساتھ بخشش کی طلب پر مبنی ہے۔ گزشتہ صفحات میں بھی شفاعت طلبی کا ذکر کیا گیا مگر حضور ﷺ کے شفیعِ روزِ جزا ہونے کے عمومی ذکر کے علاوہ بالخصوص آپ ﷺ کے حضور درخواست پیش کرنے کا جو انداز ہے۔ اس کی مثالیں الگ ہیں:

اب ٹھہرتا ٹک نہیں پائے ثبات
دستگیری کر کہ پاؤں میں نجات

جرم کیا ہیں میری کتنی مشکلات
ہے کفایت ایک تیرا التفات
رحمت للعالمینی یارسول ﷺ
ہم شفیع المذنبینی یارسول ﷺ
نیک و بد تیرے ثنا خوانِ ہمم
لطفِ تیرا آرزو بخش امم
ملتفت ہو تُو، تو پھر کا ہے کا غم
تو رحیم و مستحقِ رحم ہم
رحمت للعالمینی یارسول ﷺ
ہم شفیعِ المذنبینی یارسول ﷺ

(آمیر)

کیا کریم نے حلّالِ مشکلات تجھے
ترے کرم سے نہ دشوار ہوگئے دشوار
تری جنابِ مقدس میں اے شہِ کونین
دعا یہ مانگوں ہوں میں صبح و شام و لیل و نہار
گناہگار ہوں عاصی ہوں اُمتوں میں تری
شمار ہوں نہ جرائم مرے بروزِ شمار

(جوشش)

گناہوں کی بخشش کے علاوہ ذاتی غم والم سے نجات اور کربِ حالات سے نکلنے کی تمنا بیشتر شعرا کے ہاں نظر آتی ہے۔ استغاثہ کی یہ روایت نعت کے قدیم ترین نمونوں میں بھی موجود ہے:

ناہیں مراچھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبی
ہے رین دن غفلت بڑی انظر بحالی یا نبی
اس فضل سوں راکھو مجھے من عزل و دربات الصفا
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبی

میں ہوں خرابی میں پڑا کا لطفل سوٗالخلق حیف
اس غم ستی چھاتی سڑی انظر بحالی یا نبی

(محمد فاضل الدین بٹالوی)

عصیاں سوں میں غرقاب ہوں نیکی نہیں، مجھ سے ہوئی
تجھ بارہی میں آگرا ہوں نا تواں بے بال وپر
کر کر تصدق نانو کے باطن کی میرے لے خبر
رکھ شاد دنیا دین موں مجھ نفس شیطاں کا نہ ڈر

(شیخ نور محمد)

شہِ دوسرا میں تمارا چہ ہوں
بھلا ہور برا میں تمارا چہ ہوں
کرم تم کریں ناں تو کاں جاؤں میں
بجز در تمارے کدردھاؤں میں
بھکاری ہوں میں حق کے درگاہ کا
وسیلہ مجھے تم سے ہے شاہ کا

(قربی)

اے جیو دو عالم کا ترے مکھ پہ فدا
محتاج تری ذات سوں سب شاہ وگرا
مجھ عاجز بے کس پہ نظر رحم سوں کر
اے منظرِ ہر ناظر و منظورِ خدا

(وؔلی)

شعرا کے ہاں یہ انداز بھی مشترک ہے کہ وہ آپ ﷺ کو تنہا مددگار پاتے ہیں اور ایک آپ ﷺ ہی کے در سے امید رکھتے ہیں:

تجھ باج مجھے نہیں ہے دوجا جگ میں
شاہنشاہِ مشرقین مجھ حال کوں دیکھ

(وؔلی)

امید رکھی بہت میں یاں جس تس سے
مجھ کو نہ کیا پہ زور کسونے مس سے

کہلا کے ترا ، یہ دکھ میں اپنا جاکر
کس سے کہوں یارسول اکرم کس سے

(قائم)

تم بِن پاپن کا دوؤ جگ مالو
ہے کو ایسا جو پار اتاری

(کاظم)

ہے دنیا تمام آفت گاہ
نظر آتی نہیں ہے جائے پناہ
جز ترے در کے یارسول اللہ
سخت مضطر ہوں حسبتاً للہ

(بیدآر)

تری تو نعت ہو کس سے پر اس بہانے سے
کچھ عرضِ حال کرے ہے حضور میں یہ غلام
خدا کے واسطے مجھ کو خدا سے چاہ تو اب
کہ ردّ نہیں ہے کسی حق میں مقبلوں کا کلام
شب سیاہ میں زورق شکستہ باد یہ تند
ہے آگے قلزم و پیچھے نہنگِ خوں آشام
جو ایسے وقت میں تو ہی نہ دست گیر ہو تو
امید کس سے رکھے یاوری کی پھر یہ غلام

(قائم)

اجتماعی حوالے سے امتِ مسلمہ کی زبوں حال کا تذکرہ کم ہے اگر ہے تو اس میں وہ انداز نہیں جو حالیہ نعت میں اکثر جگہوں پر دکھائی دیتا ہے: حالی و اقبال کی طرح خود احتسابی کا انداز ہے۔ اپنی سماجی غفلت اور بد انتظامی سے پیدا ہونے والے مسائل پر تلخی سے اظہارِ خیال کرنا اور حضور ﷺ سے ان کی شکایت کرنا، یہ انداز ان شعرا کے ہاں نظر نہیں آتا۔ شکوہ یا تلخی کا انداز اختیار کرنے کے بجائے شعرا نے خود اپنی سیہ کاری کو باعثِ الم قرار دیا ہے:

خلق عالم کا نہیں تیرے سوا کوئی معیں
رحم کر عالم پہ اب یارحمت للعالمین
عاصیوں کو کس سے ہو اصلاحِ باطن تجھ سوا
ذات سے تیری ہی رکھتے ہیں توقع مجرمیں

(راسخ)

بنا اے مہرِ تاباں قصرِ یاقوت، اپنے جلوے سے
سیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبر جد کا

(ناسخ)

نعت اور مدحِ اہلِ بیت:

امتِ مسلمہ نبی کریم ﷺ کی آل اور اہلِ بیت سے محبت کو فریضہ سمجھتی ہے۔ صحابہ کرام کے ارشادات سے اس فریضے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

> ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آنحضرت ﷺ کی قرابت والوں سے سلوک کرنا مجھ کو اپنی قرابت والوں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔''(۱)

رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت اور آپ ﷺ کی آل پاک کی شان میں اشعار ہمیشہ سے نعتیہ کلام کی زینت رہے ہیں۔ نعت کا ابتدائی زمانہ جب دربارِ رسالت میں نعت کہی گئی اس وقت بھی آپ ﷺ کے قبیلے کا ذکر تعظیم و تکریم سے کیا گیا۔ نعت گوئی کا ایک اہم مقصد محبوبِ خدا ﷺ کی محبت کا اظہار اور آپ ﷺ کی خوشنودی کا حصول ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی مدح کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی آل سے محبت کا نکتہ شعرا کے پیشِ نظر رہا ہے۔ نعت گو شعرا نے جہاں ممدوحِ نعت کی محبت کو عام کیا ہے۔ وہاں آلِ رسول ﷺ کی محبت کو بھی حرزِ جاں رکھا ہے۔ دین اسلام کے لیے اہلِ بیت کا

۱۔ الصحیح البخاری حدیث: ۳۷۱۲

ایثار و استقلال مثالی ہے۔ اٹھارہویں صدی کے شعرا کے ہاں بھی اکثر نعتیہ کلام کا یہ انداز رہا ہے۔ کہ آلِ رسول ﷺ کا ذکر کلام کے آخر میں ضرور شامل کیا گیا ہے۔

علیمِ علم الٰہی ندیم حضرتِ حق
قیام عرش معلیٰ بنائے ہفت طبق
بہارِ گلشنِ ہستی جہان کی رونق
فتوح باب موالید و مصدر و مشتق
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن

(مرزا محمد علی فدوی)

اے امت حضرت رسول الثقلین
مانگو ہو اگر دونوں جہاں کا تم چین
تو ورد کرو صبح و مسا اپنا تم
اللہ و محمد و علی و حسنین

(سوز)

نہیں پا شکستوں کا اب دستگیر
محمد بن اور آل بن اس کے میر

(میر)

دھو منھ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اس چمنستاں کے پھول کا
حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

(میر)

زہے وہ اس کی آلِ پاک طینت
کہ ہے وجہِ نجات ان کی اطاعت

(راسخ)

ہم گمرہوں کا وہ رہبر ہے
آل اس کی خلاصۂ بشر ہے

(راسخ)

آل اس کی ہے وہ ارفع شاں
دوستی جس کی مایۂ ایماں

(راسخ)

سیدۂ کائنات حضرت فاطمہؓ سے آپ ﷺ کی محبت کا ہر مسلمان کو علم ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:

''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اس لیے جس نے اسے ناحق ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''(۱)

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ کے فضائل کتب احادیث میں مرقوم ہیں، نبی کریم ﷺ نے علیؓ سے فرمایا:

''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔''(۲)

غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کل ایک ایسا شخص علَم کو لے گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ (یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول جس سے محبت رکھتے ہیں۔)(۳) اسی طرح عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

''حضرت علی کا گھرانہ نبی کریم کے خاندان کا نہایت عمدہ گھرانہ ہے۔''(۴)

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں بیشتر کلام ایسے ہیں جو حضرت علیؓ کے خصوصی ذکر سے خالی نہیں۔

بادشاہ امم ختم الرسل ، نورِ خدا
کوئی تجھسا نہیں سوا علی خویش ترا

۱۔ الصحیح البخاری، ۳۷۱۴
۲۔ الصحیح البخاری: ۳۷۱۶
۳۔ الصحیح بخاری: ۳۷۰۲
۴۔ الصحیح البخاری: ۳۷۰۴

حسرتؔ کی تو محشر میں شفاعت کیجو
ازبہرِ علی و حسنین و زہرا

(جعفر علی حسرتؔ)

جب پیغمبر کہہ چکے میں تن ہوں تو سر ہے علی
نعت ہے یکسر جو تن دے کہیے حیدر کی ثنا

(عزلتؔ)

کیا کہہ سکے کوئی جو ہے درجہ
ساتھ اس کے علی مرتضیٰ کا

(اثرؔ)

مولائے جہاں رہبرِ عشاق محمد ﷺ
ہر عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا

(انشاؔ)

مصطفیٰؐ و مرتضیٰ کی فرض ہے مجھ پر ثنا
وہ مرا حاجت روا اور یہ میرا کُل آسرا
جان تن سے جس گھڑی ہونے لگے یارب جدا
دمبدم نکلے مرے منہ سے یہی اس دم صدا
یاعلی یاایلیا یابوالحسن یامرتضیٰ

(احسانؔ)

فرض ہے نعتِ رسول اللہ کے بعد
منقبت کہنا ولی اللہ کا
عشق اولادِ نبی آساں نہیں
ہے کھٹن سالک سفر اس راہ کا

(داؤدؔ اورنگ آبادی)

مرتضیٰ شیر بیشۂ قدرت
نافعِ دینِ و قاطعِ بدعت
فاطمہ زیبِ حجلۂ عزت
گوہر درج عصمت و عفت

(بیدارؔ)

حسنین کریمین سے حضور ﷺ کی محبت کے واقعات سیرت النبی ﷺ کی کتب میں جابجا فروزاں ہیں۔ احادیث نبوی سے بھی یہ بات واضح ہے کہ سردارِ جوانانِ جنت کی محبت و تکریم ہمارا دینی فریضہ ہے۔ بالخصوص واقعہ کربلا کے تناظر میں حضرت امام حسینؓ کے ایثارِ عظیم کا تذکرہ تقدیسی شاعری میں حمد و نعت کے بعد سب سے بڑا موضوع رہا ہے۔ مرثیہ نگاری کی مستقل صنف کے علاوہ اکثر شعرا نے محبتِ حسین کو نعتیہ کلام میں شامل کیا ہے۔ اہلِ تشیع نے اس کے ساتھ ائمہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ نعتیہ شاعری میں ان عناصر کا جو ادغام نظر آتا ہے، اٹھارہویں صدی میں شیعہ فکر کا غلبہ بھی اس کا ایک عامل ہے۔

سترہویں صدی میں ایرانی (شیعہ) و تورانی (سنی) امرا کی آمد سے اور اورنگ زیب عالمگیر کے جانشیں بہادر شاہ کے شیعہ مذہب کی سرپرستی میں شدت اختیار کرنے سے مسلم معاشرہ دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گیا اس پس منظر میں محمد خالد مسعود لکھتے ہیں:

"یہ بھی اٹھارہویں صدی کی خصوصیت ہے کہ اس صدی میں جہاں شیعہ مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا وہاں اس مسلک نے برِ صغیر کی فکری نشو و نما میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ سیاسی طور پر مغلیہ امرا میں ان کا اثر و رسوخ بڑھا تو اس کی وجہ سے علمی مناظرات و مناقشات میں اضافہ ہوا۔ شیعہ اور سنی دونوں علما نے ایک دوسرے کے بارے میں کتابیں لکھیں جس سے دینی ادب میں علم کلام کو نشو و نما ملی، اس عہد کے شعر و ادب میں بھی شیعہ شعرا اور ادبا نے بہت اضافہ کیا۔ سیاسی اختلافات کے باوجود علمی و فکری میدانوں میں شیعہ اور سنی علما میں رابطے موجود تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جو علاقائی حکومتوں نے شیعہ مسلک کی سرپرستی کی جس سے شیعہ ثقافت کو مقامی طور پر پنپنے کا موقع ملا۔"[۱]

اس صدی کے نمایاں شعرا میں اکثر کا تعلق شیعہ مسلک سے رہا ہے۔ بعض شعرا نے نعت و منقبت کو یکجا نبھایا ہے۔ دواوین کی ابتدائی غزلوں میں تو بیشتر شعرا نے حمد و نعت و منقبت کو بیک غزل بیان کیا ہے۔ لیکن ایسی منظومات بھی ہیں۔ جن میں نعت و منقبت کا ادغام عنوان ہی سے واضح ہے۔

۱۔ اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما، ص:۵۱

کلیاتِ آحسان سے ''مسدس در نعت ومنقبت'' کی ایک مثال گزشتہ صفحات میں درج کی گئی، جعفر علی حسرت نے نعت و منقبت پر مبنی قصیدے میں حضرت محمد ﷺ حضرت علی امام حسن و حسین کی مدح کی ہے، قصیدے کی ردیف ''چاروں ایک'' نے شاعر کی عقیدت کو ایک کُل میں پرو رکھا ہے:

ہاں مگر ذاتِ نبی ﷺ اور علی اور حسنین
دو جہاں میں ہیں یہ ملجائے الم چاروں ایک
خالق الخلق کے مظہر ہیں اتم چاروں ایک
گرچہ ہیں چار یہ تن رکھتے ہیں دم چاروں ایک

(جعفر علی حسرت)

اسی طرح سوؔدا نے نعت و منقبت میں قصیدہ کہا ہے، جس کی ردیف ''دو'' ہے اس قصیدے میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کی مدح ہے:

مثلِ زبان خامہ ہیں گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو

ہوتے حکیم کس سبب معتقدِ قیامِ دہر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو
وصفِ براق و دلدل اب کہہ تو میں کیا بیاں کروں
مشرق سے تا بہ غرب تک جس کے تئیں ہیں گام دو
مرضیِ حق نہیں ہے یہ دو ہوں در اور ایک بام
ورنہ پھریں یہ عرش پر ایسے ہیں خوش خرام دو

(سوؔدا)

اس صدی کی نعت میں اگرچہ مسلک و فکر کا یہ اظہار شامل رہا ہے لیکن نعتیہ شاعری کے دائرے میں شعرا کے ہاں اس کا انداز عقیدت کا ہے۔ اس میں پروپیگنڈے یا تعصب کی شدت نہیں پائی جاتی عدم رواداری کی مثالیں برائے نام ہیں۔

نعت میں اصحاب رسول ﷺ کا تذکرہ:

نبی کریم ﷺ نے حکمِ خداوندی سے تبلیغ اسلام کی ابتدا کی تو نامساعد ترین حالات میں بھی آپ ﷺ کے جانثار رفقا نہ صرف ایمان لائے بلکہ ہمیشہ استقامت وایثار کا مظاہرہ کیا، جس شخص نے حالتِ ایمان میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے، لیکن بلاشبہ بعض صحابہ کا درجہ بلند ہے۔ ان کے فضائل ومناقب کا ذکر زیادہ ملتا ہے، ہر مسلمان صحابہ کی محبت اور اتباع کو فرض سمجھتا ہے۔ اسوۂ حسنہ کی پیروی کس طرح کی جائے۔ اس کی تعلیم صحابہؓ کرام کے طرزِ عمل سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کے سراپا ادب ہونے اور ان کے ایمان وتقویٰ کے متعلق قرآن پاک میں بھی ارشادات موجود ہیں:

"بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے،
ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجرِ کریم ہے۔" (سورۃ الحجرات:۳)

"اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگر بہت سے کاموں میں تمھاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمھارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں۔" (سورۃ الحجرات:۷)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں تم دیکھو گے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ان کی (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔
(الفتح:۲۹)

اصحابِ رسول کی اہمیت احادیثِ نبوی کی روشنی میں بھی واضح ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایک زمانہ آئے گا کہ اہلِ اسلام کی جماعتیں جہاد کریں گی تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمھارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کوئی صحابی بھی ہیں؟ وہ

کہیں گے کہ ہاں ہیں۔تب ان کی فتح ہو گی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمانوں کی جماعتیں جہاد کریں گی اور اس موقع پر یہ پوچھا جائے گا کہ کیا یہاں رسول اللہ ﷺ کے صحابی کی صحبت اٹھانے والے (تابعی) بھی موجود ہیں؟جواب ہو گا کہ ہاں ہیں،اور ان کے ذریعے فتح کی دعا مانگی جائے گی۔اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کی جماعتیں جہاد کریں گی اور اس وقت سوال اٹھے گا کہ کیا یہاں کوئی بزرگ ایسے ہیں۔جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے شاگردوں میں سے کسی کی محبت میں رہے ہوں؟جواب ہو گا کہ ہاں ہیں۔تو ان کے ذریعے فتح کی دعا مانگی جائے گی پھر ان کی فتح ہو گی۔"[۱]

شعرانے جہاں صحابہ کرام کے الگ مناقب کو بالتفصیل بیان کیا ہے وہیں اردو نعت کا ایک مزاج یہ بھی رہا ہے کہ نعتیہ کلام کے اندر حضور کے اصحاب کا بھی تعظیماً ذکر کیا ہے۔بعض شعرانے بحیثیت مجموعی اور بعض شعرانے بالخصوص خلفائے راشدین کا ذکر کیا ہے۔

* کئی صدق و عدالت حلم میں طاق
کوئی علم و سخا میں شہرہ آفاق

(سوداؔ)

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آبِ محمد کا
جو چاہے پاک ہو ، پیرو ہو اصحابِ محمد کا

(سوداؔ)

سنواری گرد اُس کے چار دیوار
حقیقت میں سمجھ ہیں یار وہ چار
وہ ہیں مقبول درگاہِ صمد کے
وہی ہیں منتخب اس چار حد کے

(ولیؔ)

۱۔ الصحیح البخاری، حدیث:۳۶۴۹

* ۔ ماقبل شعر میں سوداؔ نے اصحابِ رسولؐ کو انبیا سے بہتر قرار دیا ہے جس میں انبیا کے استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔

سر بر آں اس منہ سے ہو سکتی ہے کب نعتِ رسول ﷺ
یا ابوبکر و عمر ، عثمان و حیدر کی ثنا

(یقینؔ)

فدائے نامِ پاکِ چار یارم
بہ جان دل غلامِ چار یارم

(جعفر زٹلی)

چار یارِ باصفا ، حق کی کتابیں چار ہیں
آپ جن کو منشئ تقدیر نے انشا کیا
یعنی ابوبکر و عمر ، عثمان و حیدر ، بالیقیں
جن کو چار ارکاں دینِ پاک ہے مولیٰ کیا
صورت اربع عناصر تھا بہم چاروں میں ربط
ربع مسکوں میں انھوں نے دین کو احیا کیا

(شاہ نصیرؔ)

تشریف شرف صِدق نے صدیق سے پایا
مشہورِ جہاں اس سے ہوا نام کرم کا
لے ہاتھ میں شمشیر عدالت کی عمر نے
قبضہ میں کیا ملک عرب اور عجم کا
عثماں کہ ثنا اس کی ہے تقریر سے افزوں
تحریر کرے کیا نہیں مقدور قلم کا
سلطانِ ولایت اسد اللہ کہ جس کی
ہیبت سے جگر آب ہو شیرانِ رجم کا

(بیدارؔ)

اصحاب اس کے چار ستوں قصرِ دیں کے ہیں
بارہ دری ہے جن سے امامت کی استوار

(مصحفیؔ)

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا کہ نعت کا موضوع ممدوحِ نعت کی عالمگیریت کے سبب بے حد و بے کنار ہے۔ عربی شاعری کی ابتدا دفاعِ رسول ﷺ کے مقصد سے ہوئی۔ اللہ نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی بعثت، نبوت اور سیرت کا ہر پہلو نعت کا موضوع ہوتا گیا۔ حیاتِ مبارکہ کے تمام زمانے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل کے معجزات اور مژدہ ہائے کتبِ سماوی کا ذکر نعت میں جگمگاتا رہا۔ آپ ﷺ کی سوانح کے نمایاں پہلو مثلاً تبلیغِ اِسلام، ہجرتوں کے سفر، مؤاخاتِ مدینہ، فتح مکہ، خطبہ حجۃ الوداع سے نعت کو فکری توانائی ملتی رہی ہے۔ معجزات و غزوات اور خلقِ عظیم کا تذکرہ، نیز شہرِ مدینہ اور روضۂ رسول سے وابستگی، دربارِ رسول کی حضوری و مہجوری کے مضامین سے شعرا پرورشِ لوح و قلم کرتے رہے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں سیرت و کردار کے حوالے بہت زیادہ نہیں ہیں اگر صفاتِ بشری کا ذکر ہے تو آپ ﷺ کے عدل و شجاعت کا خال خال بیان ہے، ورنہ اس عہد کے شعرا میں آپ ﷺ کی رسالت و نورانیت غالب موضوع رہی ہے۔ دیکھا جائے تو یہ رائے کلاسیکی عہد کے بیشتر نعتیہ سرمائے پر صادق آتی ہے۔ اٹھارہویں صدی تک یہ شعری رویہ بھی قائم تھا کہ شنیدہ روایات کو بلا تصدیق زیبِ کلام کر دیا جائے۔ زمانہ حال میں بھی ایسی مثالوں کا وجود عنقا نہیں مگر تحقیقی و تنقیدی ماحول کے ارتقا نے کسی قدر اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ قدیم نعت گوئی میں بالعموم آنحضور ﷺ کی ازل اور ابد میں عالی مرتبی واضح کی گئی رسالت کا زمینی فیضان، انسانی معاشرے پر اُسوۂ رسول کے تاریخی اثرات کا بیان نسبتاً کم ہے۔ بحیثیتِ مجموعی اس عہد کی نعتیہ شاعری شعرا کے اپنے مخصوص رنگِ کلام اور عصری رجحانات کی عکاس ہے۔

اٹھارہویں صدی میں اردو نعت کا فنی جائزہ

فنِ شعر کی بحث اظہار اور ابلاغ کی بحث ہے۔ شعر میں معانی کو بہ اندازِ موئژ پیش کرنا شاعر کی فنکاری پر منحصر ہے۔ ادب کی دیگر اصناف کی طرح اردو نعت بھی ارتقائے فن کی منازل طے کرتی رہی ہے۔ کسی بھی عہد کی نعتیہ شاعری اس ارتقائی مطالعے سے مستثنٰی نہیں۔ اٹھارہویں صدی میں گرچہ غزل مقبول صنف و ہیئت سخن تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، ترکیب بند ترجیع بند کا ارتقا بھی عمل میں آیا نعت بھی مروجہ ہیئتوں میں کہی گئی۔

ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں:

> "ملا داؤد کی مثنوی "چندائن" سے لے کر نظیر کی بعض منظومات تک اُردو کی کلاسیکی شاعری کا دفترِ نعت، رسولِ کریم ﷺ کی مدح و توصیف کے بارے میں اہم ضرور ہے لیکن نعت بطور صنفِ شعر اپنی پہچان متعین نہیں کرا سکی اور نو آبادیاتی دور سے قبل نعت ایک الگ صنفِ شاعری کی صورت میں خال خال ہی دکھائی دیتی ہے۔۔۔ برصغیر میں برطانوی استعماریت کے عہد میں شعرا نے غزل کی ہیئت میں نعتیہ مضامین کو مستقل حیثیت دے کر نعت کو وہ فنی تشخص عطا کیا جو فی زمانہ رائج ہے اور نعت کا بیشتر سرمایۂ سخن اسی ہیئت میں تخلیق ہوا۔"(۱)

صنفِ نعت کے تشخص کو نو آبادیاتی عہد سے مخصوص کرنا، اُردو نعت کی وسیع و عریض تاریخ کو محدود کر دینا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات سے وابستگی ایک آفاقی احساس ہے، اُردو جہاں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی وہ خطۂ ارضی اس احساس سے مبرّا نہ تھا، لہٰذا ہر دور میں یہ احساس روحِ ادب کا جزو رہا خواہ اس کے اظہار کا پیرایہ کوئی بھی ہو۔

اٹھارہویں صدی کی ابتدائی صوفیانہ شاعری میں غزل کی ہیئت میں کلام موجود ہے۔ اس کے علاوہ بیشتر شعرا نے دیوان کی ابتدا میں حمدیہ اور نعتیہ غزلیں کہی ہیں۔ کہیں

۱۔ امیر مینائی کی نعت، مرتبہ: صبیح رحمانی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۲۱ء، ص:۱۶۱

حمد، نعت اور منقبت کا اہتمام الگ الگ غزلیات میں ہے کہیں ایک ہی غزل میں حمد و نعت و منقبت کے مضامین یکجا ہیں۔ ولی قربی، فراقی، کاظم، داؤد، حاتم، سراج، میر، سودا، فدوی، اثر، عزلت، قائم، یقین، بیدار، عشق، جرأت، انشا، ایمان، مہ لقا چندا کے ہاں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اردو میں نعتیہ قصائد کی روایت بھی بہت قدیم ہے اٹھارہویں صدی میں جہاں قصیدے کی صنف بحیثیت مجموعی بھرپور ادبی روایت کی حامل رہی وہاں نعت و منقبت میں بھی عمدہ قصائد لکھے گئے۔ قصیدے میں زورِ بیان، شوکتِ الفاظ اور مضمون آفرینی کے جو لوازم پائے جاتے ہیں ان کی بدولت نعتیہ قصائد کے ذریعے صنفِ نعت کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ قصیدے میں تشبیب سے مدح کی طرف بہترین حیلے سے نکل جانا بجائے خود ایک فنی خوبی اور مہارت ہے، ولی، سودا، قائم، حاتم، جعفر علی حسرت، شیر محمد خان ایمان، جوشش عظیم آبادی، مصحفی اور راسخ عظیم آبادی کے ہاں نعتیہ قصائد موجود ہیں۔

مثنوی جیسی وسیع صنفِ سخن جو اردو ادب کی ابتدائی صدیوں میں تاریخی، اخلاقی، مذہبی موضوعات کے لیے بالخصوص مقبول رہی ہے اس سے سلاست، روانی، صفائی زبان و بیان اور محاکات کی گراں قدر مثالیں نعتیہ شاعری کا حصہ ہوئیں۔ علیحدہ نعتیہ مثنویوں کی مثالیں کم ہیں۔ جبکہ دیگر موضوعات پر مبنی مثنویوں میں تقریباً ہر مثنوی نگار نے ابتدا حمد و نعت سے کی ہے وہ نمونہ ہائے نعت جو ان مثنویوں کا جزو ہیں۔ مثنوی کے فنی خصائص ان میں بھی بعینہٖ موجود ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں مثنوی کی ہیئت میں نعت کے نمونے صوفیا مثلاً شاہ تراب چشتی، نوازش علی شیدا، غلام قادر شاہ، کے علاوہ قربی، بحری، آگاہ، ولی، سراج، آبرو، جعفر زٹلی، رنگین، سوز، میر، اثر، ناسخ، اور راسخ کے ہاں ملتے ہیں۔

رباعی کی صنف اپنے مخصوص اوزان، حسن واثر کے لوازم یعنی لفظی و معنوی خصوصیات کے باعث ایک مشکل صنف ہے۔ یہ صنف فارسی سے اردو میں آئی۔ دکن کے بعد شمالی ہند میں بھی رباعی لکھنے کا رواج ہوا۔ شامل مطالعہ شعرا میں آگاہ، ولی، عشق، قائم، سودا، راسخ اور جوشش کے ہاں نعتیہ رباعیات ملتی ہیں اس کے علاوہ احسان، میر اور بیدار نے مسدس کی ہیئت میں جبکہ ولی، حسرت عظیم آبادی، میر اسد علی تمنا، مرزا محمد علی فدوی اور نظیر اکبر آبادی نے مخمس کی ہیئت میں بھی نعتیہ کلام کیا ہے۔ نعتیہ شاعری کے اس سرمائے

کو بالحاظ فکر و فن یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اردو کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اردو نعت میں موضوعات کی محدودیت اور روایتی نعت گوئی کے ضمن میں لکھا ہے:

> ''اردو نعت گوئی کا مؤرخانہ جائزہ صاف بتاتا ہے کہ ایک طویل مدت تک چونکہ کسی اردو شاعر نے نعت گوئی سے خصوصی شغف کا اظہار نہیں کیا اسی لیے انیسویں صدی کے وسط تک نعتیہ شاعری کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو رسمی نعت گوئی کے تحت آتا ہے۔ اور فکر و فن کے لحاظ سے اس کا معیار ایسا نہیں کہ اس کا ذکر ضروری سمجھا جائے۔''(۱)

ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے اور محسن کاکوروی کو پہلا ایسا شاعر قرار دیا ہے جس کے ہاں حقیقی نعت کی فضا نظر آتی ہے ان کے نزدیک سب سے پہلے محسن کاکوروی نے نعت کو ادبی و فنی خصوصیات سے آشنا کرایا۔(۲) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کلاسیکی عہد میں جن شعرا نے غزل، مثنوی، قصیدہ یا دیگر اصناف میں نام پیدا کیا ان کے ہاں نعتیہ سرمایہ قلیل سہی لیکن یہ سرمایہ اپنے فنی لوازم سمیت اردو نعت کی تاریخ کا حصہ ہے، قدیم مذہبی شاعری کے متعلق یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ محض سادگی سے ادائے مطلب ہی اس کا مطمح نظر رہا ہے، مگر تخلیقات کے مطالعے اور شعرا کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام میں تاثیر سے پہلو تہی نہیں کی گئی لہٰذا کلام میں اثر اور دلکشی قائم رکھنے کے تمام حیلے فنی کاوش ہی کے زمرے میں شمار ہونے چاہئیں، مولانا باقر آگاہ نے ہشت بہشت میں حضرت محمد ﷺ کے شمائل، اخلاق، خصائص اور معجزات کو آٹھ رسالوں میں بیان کیا، ان کا مقصد معتبر احادیث و روایات کو سادہ زبان میں عوام تک پہنچانا ہے لیکن اس مقصد کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

> ''ہر رسالہ کا وزن جدا کیا، تاوزن علیحدہ ہونے سے خواہش و آرزو پڑھنے والے کی زیادہ ہوں۔''(۳)

۱۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری، اردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۵۰

۲۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اردو میں نعت گوئی، ص: ۴۳۰

۳۔ مولانا باقر آگاہ ہشت بہشت، مطبع نظام المطابع، مدراس، ۱۳۰۸ء ص: ۰۳

یہ حقیقت ہے کہ نعتیہ شاعری محض فنی آرائش پر اکتفا نہیں کرسکتی چونکہ ہر دور میں قرآن و حدیث کے بعد کتبِ سیرت بھی نعتیہ شاعری کا ماخذ رہی ہیں۔ لہٰذا آگاہ کا یہ اعلان بھی بڑی وقعت رکھتا ہے:

"اے بھائی! یہ رسالہ رکھنی زبان میں ہیں کر کر سہل نہ جان" کس واسطے کہ بڑی معتبر کتب سے تحقیق کر کر لکھا ہوں اگر وہ تمام کتابوں کو دیکھے گا یا کسی سے سنے گا تو تجھے قدر ان رسالوں کی معلوم ہوگی۔"(۱)

آل احمد سرور نے میرؔ پر گفتگو کرتے ہوئے جو بات کہی ہے اسے تمام کلاسیکی شعرا کو پڑھتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے:

"فکر کے معنی چونکہ ہم نے کسی فلسفہ طرازی کے سمجھ لیے ہیں اور کسی شاعر کے کلام میں ذہنی گہرائی ڈھونڈنا ایک مشغلہ ہو گیا ہے۔ اس لیے بعض اوقات میرؔ کے یہاں جو افکار ایک لطیف سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ آئے ہیں ان کی اہمیت کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔"(۲)

گویا اس عہد کے شعرا کی نعتیہ شاعری میں سادگی اور بے ساختگی کو محض رسم وروایت کے بجائے ایک فنی خوبی پر محمول کرنا چاہیے، بیان رسول ﷺ کریم کے بہترین قرائن تلاش کرنے کی تحریک کئی شعرا کے ہاں ملتی ہے۔ نوازش علی شیدا "اعجاز احمدی" میں بیان مطالب سے قبل لکھتے ہیں:

الٰہی میں تیرے نبی کا بیاں
نظم بیچ چہتا ہوں کرنا عیاں
مری طبع کو چست و چالاک کر
رموزِ معانی کا درّاک کر
فصاحت عطا کر سخن کو مرے
حلاوت ستی بھر دہن کو مرے(۳)

۱۔ ہشت بہشت، ص:۰۴
۲۔ آل احمد سرور، مسرت سے بصیرت تک، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۱ء ص:۲۵
۳۔ اعجاز احمدی، ص:۱۱

نعت گوئی کے لیے جس ذمہ دارانہ اور محتاط رویے کی ضرورت ہے، وہی رویہ فنی پختگی کی بنیاد بھی قرار پاتا ہے۔ اکثر اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان شعرا کو اس نزاکت کا احساس رہا ہے۔ مصحفی کہتے ہیں:

ہشیاری سے رکھ پاؤں دلا! مدح میں اس کی
وہ بحر ہے یہ جس میں مَلک غوطہ زناں ہیں

علم معانی کی بنیاد اس مجموعۂ قواعد پر ہے۔ جو لفظ کے مقتضائے حال ہونے کا فیصلہ کرے۔ مفہومِ الفاظ کا مطالعہ کرے اور نعت ایسی صنف ہے۔ جس میں لفظ و معنی کے بعد احتیاطِ استعمال کی شرط شاعر کے پیشِ نظر رہتی ہے۔ لہٰذا فنِ شعر سے آگاہ شاعر کے ہاں نعتیہ شاعری خود بخود ان خوبیوں سے متصف ہو جاتی ہے۔ علم بیان کی اقسام میں تشبیہ و استعارہ کو سب سے زیادہ قبولِ عام حاصل ہے۔ شاعری کی ہر صنف تشبیہات و استعارات کی مثالوں سے مالا مال ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو بے ساختہ تقریر و تحریر میں در آتا ہے۔ نعت گو کا منصب یہاں بھی حزم و احتیاط کا پابند ہے۔ یہاں ہر تشبیہ یا استعارہ بلا تامل گوارا نہیں ہو سکتا۔ اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری میں ایسی مثالیں کم ہیں۔ جہاں ان عناصر نے استخفاف کی صورت پیدا کی زیادہ تر شعرا نے تشبیہ و استعارہ سے لفظی و معنوی حسن کو بڑھایا ہے:

او خورشید ہے سب یہ ذرات ہیں
او بادِ صبا خلق سب پات ہیں
او مہتاب ہے سب خلایق چکور
دو عالم میں ہے حسن کا اس کے شور

(آگاہؔ)

چراغِ شبستانِ ایماں ہے وہ
گلِ مغفرت کا گلستاں ہے وہ

(شیداؔ)

بھرا تجھ میں یہ حق نے علم رطب و یابسِ عالم
کہ جلد و جسم کو رتبہ ہے قرآنِ مجلّد کا

گھسے مثلِ قلم پائے طلب لیکن نہ ہاتھ آیا
بسانِ سایۂ احمد نشاں تصویرِ احمد کا

(ناسخؔ)

شفاعت جبکہ اس کے لب پہ ہو حرف
تو رحمت ہووے خورشید اور گنہ برف

(راسخؔ)

گلشن وحی میں وہ افصح ہے
نغمہ زن عندلیب مولا کا

(قربیؔ)

کھلا کونین میں وہ دین کا گُل
دو جگ مشتاق اس کے مثلِ بلبل

(ولیؔ)

ہے اس طریق پہ تجھ پہ جہاں کا ربطہ و نظام
ہو ساتھ شخص کے سائے کو جس طرح سے قیام

(قائمؔ)

گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب
آسماں جائیں مثل موم پگھل

(ولیؔ)

سپہرِ معرفت حقا، وہ ہے مہرِ الوہیت
کہ جس کا دینِ روشن آئینہ ہے حق نمائی کا

(جرأت)

ظہورِ نور ترا یوں محیطِ عالم ہے
کہ جیسے نقطے کے عادی دوائرِ پُرکار

(جوششؔ)

جہاں کسی صنف کے موضوعات کی جہتیں اور پرتیں وقت کے ساتھ متنوع ہوتی جاتی ہیں۔وہاں باصلاحیت شاعر گلدستۂ معانی کو نئے ڈھنگ سے باندھنے کی سعی میں بھی برابر

لگے رہتے ہیں۔ صنائع لفظی و معنوی کو شاعر کس جمالیاتی شعور سے برت سکتا ہے۔ اس کا بہت کچھ تعلق اسلوبیات ہی سے ہے۔ نجمی رام پوری لکھتے ہیں:

”وجہ تقدیم صنائع لفظی کی صنائع معنوی پر یہ ہے کہ اول لفظ سننے میں آتے ہیں۔ پھر معانی سمجھے جاتے ہیں۔“(۱)

لہٰذا گزشتہ صفحات میں اسلوبیاتی جائزے کے تحت پیش کردہ مثالوں میں صنعتِ تجنیس، صنعتِ ترجیع اور صنعتِ اشتقاق کی مثالیں بھی شامل ہیں۔ تجنیس یعنی الفاظ کے تلفظ و املا میں مشابہت اور معانی میں اختلاف کی چند اور مثالیں یہ ہیں:

اے گنجِ نہاں خانۂ وحدت کے طِلسم
ہے مُلکِ مَلَک کا حرزِ جاں ترا اسم

(آگاہؔ)

کہ خورشیدِ نبوت کی مدح میں
کنول دل کا کھلا سینے کے درح میں

(ولیؔ)

جس کے قدم شہود میں رکھتے ہی غیب سے
کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں

(جوششؔ)

لے ساری خدائی کی خبر زیرِ گلیم
انعام یتیمی میں کرے درِّ یتیم

(جوششؔ)

صنعت ترصیع یعنی ایک مصرع موزوں کرنا اور اس کے مقابل دوسرا مصرع اس طریق پر لانا کہ پہلے مصرع کا پہلا لفظ اور دوسرے مصرعے کا پہلا لفظ ہم قافیہ ہوں۔(۲)
اس سے ترنم اور نغمے کا رنگ پیدا ہوتا ہے اگر صنعت مکمل نہ ہو تو ایک ہی مصرعے

۱۔ حکیم نجم الغنی خاں، بحر الفصاحت جلد دوم، (مرتبہ: ڈاکٹر کمال احمد صدیقی)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص: ۱۲۰۰

۲۔ عابد علی عابد، البدیع، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵ء ص: ۱۳۷

میں ہم قافیہ الفاظ کے آنے سے بھی ترنم پیدا ہوتا ہے۔عابد علی عابد لکھتے ہیں:

”یہ بات کہ بدیع کا ایک حصہ کم از کم ضرور صوتیات سے تعلق رکھتا ہے اور لفظ بے معنی کو بھی موضوع کلام بناتا ہے،یوں روشن ہو جاتی ہے کہ انداز کی صفات جمالیاتی دو ہیں۔یعنی ترنم اور نغمہ۔ترنم یعنی Melody خوش نما آوازوں کی تکرار کا نام ہے نغمہ یعنی تالیف کا پیچیدہ تر حسن وہاں پیدا ہوتا ہے۔جہاں حروفِ علت اور حروفِ صحیح اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے صحیح طرح کام لیا جائے۔حروفِ علت اور حروف صحیح کے امتزاج فنی سے شعر میں ایسا نغمہ وجود میں آتا ہے کہ کلام پر ٹھمری کا گمان گزرتا ہے۔“[۱]

موٴلف بحر الفصاحت نے پہلے مصرعے کے تمام الفاظ اور دوسرے مصرعے کے تمام الفاظ کے باترتیب ہم قافیہ ہونے کو صنعتِ ترصیع کہا ہے۔ترنم اور نغمگی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

طاعت ہے تری اطاعت اس کی
قربت ہے تری محبت اس کی

(آگاہ)

محمد معدنِ رازِ نبوت
محمد مخزنِ سرِ رسالت

(آفتاب شاہ عالم ثانی)

ہادی گمرہانِ بد کردار
شافع بندگانِ عصیاں کار

(بیدار)

وہ نقطہ علم ازل کا ہے، وہ اول ہر اول کا ہے
وہ مجمل ہر مجمل کا ہے، سب دیکھو نور محمد کا
وہ منشا سب اسما کا ہے، وہ مصدر سب اشیا کا ہے
وہ سرِّ ظہور خفا کا ہے، سب دیکھو نور محمد کا

(غلام قادر شاہ)

۱۔ عابد علی عابد، البدیع، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵ء ص:۱۳۷

جو چیز ہے جہاں میں جو نام ہے دہاں میں
جو ہے عیاں نہاں میں وہ نام مصطفا کا
کیا عشق کہنہ و نو ، اس عشق کا ہے پرتو
ہے خلق میں تگ و دو ، اس عشق اس ہوا کا

(قربیؔ)

اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کے تفصیلی مطالعے سے جا بجا صنائع لفظی کے نمونے دکھائی دیتے ہیں مثلاً

صنعت ذو قافتین:

ہے گنجِ غیب کا مفتاحِ اسرار
ہے بیت القدس کا مصباحِ انوار

(آگاہ)

نہ غایت رکھے اس کا روحی کمال
نہ پایاں رکھے اس کا جسمی جمال

(آگاہ)

صنعتِ عاطلہ:

محمد گر مددگار ہو ہمارا
سگل دکھ درد رد ہوگا ہمارا
اگر صحرا رہو مل دام ہور درد
او سارا دام دد ہوگا ہمارا
اگر عالم سگل آگاہ عدو ہو
او اللہ الصمد ہوگا ہمارا

(بحریؔ)

صنعت اشتقاق:

مجھ عاجز بے کس پہ نظر رحم سوں کر
اے منظرِ ہر ناظر و منظورِ خدا

(ولیؔ)

اس عہد کی نعتیہ شاعری صنائع معنوی سے بھی عاری نہیں۔کلام میں معنوی خوبی پیدا کرنا مزید تاثیر کا باعث ہوتا ہے۔کفرو شرک کے مقابل میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے صدق و صفا کو اجاگر کرنے میں صنعت تضاد اور صنعت مبالغہ کا جابجا استعمال نظر آتا ہے۔صنعتِ تعلیل کے عمدہ نمونے خیال آفرینی کے بھی مظہر ہیں۔شعر میں فکر یا سوچ کے نئے زاویے نکالنے، کسی بات میں کوئی نیا نکتہ پیدا کرنے کا عمل خیال آفرینی کہلاتا ہے۔نعت میں خیال آفرینی کا یہ عمل بہت نازک ہے۔یہاں احتیاط کے تقاضے بربنائے ذوق نہیں بلکہ بربنائے شریعت نبھانا ضروری ہیں تنگنائے نعت میں خیال کی یہ وسعت پیدا کرنا، غلو سے گریز کرتے ہوئے جذبہ وعقیدت کا اظہار کرنا، بالیدہ فنی شعور کا تقاضا کرتا ہے۔اٹھارہویں صدی کے شعرا کے ہاں چند مثالیں دیکھیے:

کہا پیرِ خرد نے موجب خم پشتِ گردوں کا
یہ بختی بارکش رہتا ہے اسبابِ محمد کا

(سوداؔ)

اس سو عالم پائے جب حق کا سراغ
حق کہا اس واسطے اس کو چراغ

(آگاہؔ)

خلا ز بس کہ جلالت سے تیری ہے مملو
نگہ کو تا سرِ مژگاں ہیں چشم سے دو گام
کرے نہ مہر جو تجھ صبح رائے سے دعوا
تو کیوں زمانہ اسے پٹکے خاک پر ہر شام

(قائمؔ)

ٹپکا ہے تری نگہ سے رشحۂ مُل
اس طرح مچی انفس و آفاق میں غُل

(آگاہؔ)

ہے محوِ تماشے کا ز بس عالم علوی
انجم نہیں یہ دیدۂ نظارگیاں ہیں

(مصحفیؔ)

میر حسن نے جسمِ اطہر کا سایہ نہ ہونے کی توجیہ مسلسل چند اشعار میں کی ہے یہاں خیال آفرینی کا یہ نمونہ دیکھیے:

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کا سایے کے نہ یہ سبب
ہوا صرف پوشش میں کعبے کی سب
وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن
کہ تھا کُل وہ اک معجزے کا بدن
بنا سایہ اس کا لطیف اس قدر
نہ آیا لطافت کے باعث نظر
عجب کیا کہ اس گل کا سایہ نہ ہو
کہ تھا وہ گلِ قدرتِ حق کی بو
خوش آیا نہ سائے کو ہونا جدا
اسی نورِ حق کے رہا زیرِ پا
نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھانو
کسی کا نہ منہ دیکھا، دیکھ اس کے پانو
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر
قدم اس کے سائے کا تھا عرش پر

نہ ہونے کی سایہ کے اک وجہ اور
مجھے خوب سوجھی پہ ہے شرط غور
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر
سمجھ مایۂ نور ، کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا
زمیں پر نہ سایے کو گرنے دیا
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں
اسی سے ہے روشن یہ سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا
ملائک کے دل میں سمایا رہا

شاعری میں تخیل کے اظہار کے لیے اولین مواد ذخیرۂ الفاظ ہے۔شاعر جب اپنی مہارت سے چند ایسے الفاظ کلام میں یکجا کرتا ہے جو معناً کوئی نسبت رکھتے ہیں(جو نسبت تقابل اور تضاد کی نہ ہو)ان کا استعمال محض برائے صنعت ہو تو دلکشی نہیں رہتی مگر شعرا نے نعتیہ کلام میں مرآۃالنظیر کی ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔جہاں الفاظ کا یہ اجتماع ایک وحدت معنوی کا باعث بنتاہے۔اور تخلیقی تجربے کامربوط اظہار کرتاہے:

معرفت اور طریقت یہ حقیقت سب آج
مل شریعت کے بنے اس کے علم چاروں ایک
آستانے پہ سدا اس کے جبیں ملتے ہیں
ہو کے اقبال و ظفر، جاہ و حشم چاروں ایک

(جعفر علی حسرت)

ادا کس کی زباں سے ہو سکے شکر اس کی نعمت کا
دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قابِ محمد کا

(سودا)

آسماں او ہے زمیں او بحر و بر ، معدن وہی
دُر وہی ، گوہر وہی ، بُجہ توں وہی ہے جابجا

(قربی)

گوہر تو بہت درجِ رسالت میں ہیں
پر منتخب ان میں ہے یہی در یتیم

(راسخؔ)

حروف اس کے ملائک اور رسل ہیں
نقاط و صفر اس کے جزو کل ہیں

(آگاہؔ)

دل کے صدف میں کر جتن تجھ عشق کے گوہر رکھوں
سینے کے معدن کے بھتر تجھ نیہہ کا جوہر رکھوں

(ولیؔ)

تخیل کی یہ کارستانی وہاں بھی دکھائی دیتی ہے جب شاعر آنحضور ﷺ کی قوت و استعداد اور فیض و سخا کو بیان کرتا ہے۔ یہ امر نعتیہ شاعری میں آسان نہیں کہ شاعر آپ ﷺ کے اوصاف بیان کرنے کے لیے اپنے تخیل سے مثالیں فرض کرلے اور بے اعتدالی و بے ادبی کا شکار نہ ہو۔ مصحفی کے قصیدے سے مثال ملاحظہ ہو:

سَمندِ تیز رَو اپنے کو وہ اگر سر پٹ
فضائے دہر میں پھینکے عدو کو مار انگشت
وہ اتنا جلد پھرے کر کے طے اسے کہ ہنوز
شمار گام نہ پہنچا ہوتا بہ چار انگشت
زمینِ خشک پہ بالفرض اگر بہ موسم دَے
ہو اس کے دستِ سخاوت کی دانہ کار انگشت
اس ایک دانے میں پھوٹیں جو سینکڑوں سوئیاں
برنگِ نخلِ املتاس پھر بڑھے تو وہ نخل
درم کی جس کی ہوں پوریں وہ لاوے بار انگشت

(مصحفیؔ)

اگر موضوعِ کلام اور موادِ سخن کی پیشکش اس صفائی، وضاحت اور زیبائی سے ہو کہ

قاری کو ایک زندہ و تابندہ حقیقت کے مناظر سامنے سے گزرتے ہوئے معلوم ہوں۔[۱] تو یہ یہ تصویر کشی شعر کا فنی مرتبہ بڑھا دیتی ہے، یہ صنعت بڑے شاعروں کا خاصہ ہے۔ درج ذیل اشعار پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کیفیات متحرک ہو گئی ہیں:

ہوا روح اس کا تجلی میں جب
ہوئے مست و مدہوش ارواح سب
تماشے میں اس نور کے قدسیاں
گئے بھول حیرت ستی جسم و جاں
ہو سر مست ارواح پیغمبراں
کیے چاک اپنا گریبانِ جاں

(آگاہؔ)

انظار سے قدسیوں کے ہیں اس کے طناب
برپا ہے جہاں قرب کا ڈیرا تیرا

(آگاہؔ)

ہوئی منہدم اس سے بنیادِ کفر
خرابا ہوا شہر آباد کفر

(راسخؔ)

فردوس میں نرگس نے اشارے سوں کہا
یہ نور ہے عالم کے نین کی زینت

(ولیؔ)

اٹھا کفر اسلام ظاہر کیا
بتوں کو خدائی سے باہر کیا

(میر حسنؔ)

۱۔ البدیع، ص:۱۹

کیا حسن جب اس کا جگ میں ظہور
اڑا لات و عزّیٰ کے سر سے غرور

(شیداؔ)

تجھ زلف و مکھ نے مبتلا کیتے ہیں جزو ہور کل کے تیئں
سایہ سوں اپنے کر دیا پیدا گل و بلبل کے تیئں

(ولیؔ)

دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آوے شوق سوں
جب گلستانِ ارم کی تو خرامانی کرے
جس مکاں میں ہے، تمھاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آ کے وھاں اقرارِ نا دانی کرے

(ولیؔ)

شعر بنیادی طور پر کلامِ مختصر ہی ہے لیکن طویل مطلب کو اختصار اور فصاحت کے ساتھ ادا کرنا یعنی ایجاز کا مظاہرہ کرنا بلاغتِ کلام کو دوچند کر دیتا ہے۔ چونکہ نعت کا موضوع بے حد وسیع ہے لہٰذا اس میدان میں مشقِ سخن کرتے ہوئے دریا کو کوزے میں بند کرنا، مختصر لفظوں میں جہانِ معانی سمو دینا سہل نہیں:

شبِ قدر ہے اس کے گیسو کا تار
عبیر عدن اس کی رہ کا غبار

(شیداؔ)

اے انفس و آفاق تیرے دیوانے
ارواح تیری شمع کے ہیں پروانے
کوئی وسعتِ مشرب کو ترے کیا جانے
تو جلوۂ ذاتی کے پیا خم خانے

(آگاہؔ)

اے صبح بہار حسن اول کے گُل
ارواحِ قدس عشق کا تیرے بلبل

(آگاہؔ)

دیا مجلسِ کبریا کا ہے وہ
شرف دُود مانِ قضا کا ہے وہ

(میرؔ)

ہے حسن و عشق کا وہ رقِ منشور
کہ جس کا عرش ہے اک آیت النور

(آگاہ)

بہارِ گلشنِ ارواح و اجسام
نوائے بلبل آغاز و انجام

(شاہ تراب چشتی)

ان شعرا کے کلام میں جہاں مشکل پسندی اور تراکیب سازی کا التزام دکھائی دیتا ہے۔وہاں سہل ممتنع کی سادہ و پرکار مثالیں بھی ملتی ہیں۔زبان کی صفائی اور اظہار کی کشادگی اس عہد میں اردو شاعری کو نصیب ہو رہی تھی نعتیہ کلام میں بھی ان خصوصیات کا در آنالازم تھا۔سہل ممتنع کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حق کیا خورشید وحدت کا تُجے
اس سورج کا ایک ذرہ کر مُجے
دل کو دے تیرے پرم کی چاشنی
پاؤں تیری ذات سوں نت روشنی
میں بی پیاسا ہوں مجے پانی پلا
چشمۂ وحدت سُوں اے بحرِ عطا

(قربیؔ)

تیں ہے سمندر اور ہیں سُوتے
شکت بھگت تری سب سے نیاری
انیک درود و سلام ہیں تم پر
ربّ کی اور سے اور ہماری

ارے ارے رحم و کرم کے سمندر
لہر بہے ادھریو اک باری

(کاظمؔ)

سب بڈھیائی اسے مسلّم
صلی اللہ علیہ وسلم

(غلام قادر شاہ)

عجب ذات مقبول کونین ہے
کہ کونین کا قرۃالعین ہے

(سراجؔ)

طریق قرب میں پا اس کا واں ہے
بہت پیچھے جہاں سے لامکاں ہے

(راسخؔ)

تیری کیا ذات پاک ہے جس کے
دیکھنے کا جہاں راغب ہے
وحدہٗ لاشریک لہ کی قسم
منشی نور اس کا کاتب ہے
ساحتِ نعت میں کمیت قلم
تنگ و دو میں ہر ایک جانب ہے
دوست حق کا محمد عربی
خاصہ محبوب اور مصاحب ہے

(سلیمان شکوہ)

نعت کا بیشتر اظہار غزل کی ہیئت میں ہوا۔ اگرچہ اسے ہر دور میں قبولیت حاصل رہی لیکن اٹھارہویں صدی کا زمانہ بالخصوص جن اصناف کی ترقی کا زمانہ ہے غزل ان میں نمایاں تر ہے۔ وہ شعرا جن کے کلیات نعتیہ کلام سے خالی ہیں۔ ان کے ہاں محض ابتدائی کلام ہی حمد و نعت میں موجود ہیں تو وہ بالعموم غزل کی ہیئت میں ہیں۔ جہاں قصیدے کی پُر شکوہ فضا مبالغے

اور مدح کے لیے موزوں تھی وہاں غزل کی بساط پر جذبات و احساسات کو بکھیرنا شعرا کو مرغوب رہا۔ قدیم نعتیہ شاعری میں غزلیہ آہنگ کی نعتیں غیر متوازن اظہار کے باعث تنقید کا موضوع رہی ہیں لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں سنبھل کر رنگِ تغزل کو نبھایا گیا ہے:

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
ازل کی دین میں یارب اگر مفلس بھکاری ہوں
نبی کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا

(فراقیؔ)

ہو جان بدن میں تو فدا ہونے کو تجھ پہ
سینے میں رہے دل تو گرفتار ہے تیرا
آنکھوں میں جگہ ہے تو تصور ہی کو تیرے
ہے دل میں بھرا کچھ تو یہاں پیار ہے تیرا
آزار جو راحت ہے تو اس عشق کا آزار
بھاگے ہے شفا سے تو یہ بیمار ہے تیرا
فدوی ہو تو مشہور ترا یاں یہی فدوؔی
محشر میں اٹھے یہ تو دل افگار ہے تیرا

(فدویؔ)

شاعری میں بالخصوص کلاسیکی عہد میں صنعتوں کا استعمال ایک لازمہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ کسی ایک کلام میں کئی صنعتوں کی نشاندہی نہ کی جاسکے مگر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف چند پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے جس میں لامحالہ بعض مثالوں کا اعادہ بھی ہوا۔ دی گئی مثالوں میں کتنے ہی اشعار زورِ کلام اور جوشِ بیان کی بھی عمدہ مثالیں ہیں۔

چونکہ یہ وصف موضوع سے جذباتی تعلق کے باعث پیدا ہوتا ہے لہٰذا نعت میں اس کا غالب ہونا فطری ہے۔

مختصر یہ کہ اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کا براہِ راست زمانۂ حال کی ارتقایاب نعتیہ روایت سے موازنہ کرنے کے بجائے یہ ضروری ہے کہ اس ارتقا میں قدیم شعرا کے کردار کا جائزہ لیا جائے صنفِ نعت کے ادبی و فنی معیارات کی بات کسی بھی عہد یا کسی بھی شاعر سے شروع کی جائے سابقہ روایت سے منقطع ہو کر اس کا مطالعہ کرنا ممکن نہیں انسانی علوم وفنون کے ہر شعبے میں ابتدا، ارتقا اور عروج کی داستان قدم بہ قدم چلتی ہے۔ انیسویں صدی میں نعتیہ شاعری کے ابعاد و جہات کی توسیع اور تنوع بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں موجود نعتیہ ادب کی توانا صورت ہے۔ اٹھارہویں صدی کے شعرا نے نعت کہنے میں بیان و بدیع کی خوبیاں ملحوظ رکھی ہیں۔ وہاں ایسے اوزان کا انتخاب بھی کیا جو پسندیدہ اور مقبول ہوں سادہ و شیریں الفاظ کا چناؤ اس صدی کے شعرا کی ایسی صفت ہے جو موجودہ دور میں بھی نعتیہ تنقید کی نظر میں معتبر اور لازم سمجھی جاتی ہے۔ صنفِ نعت کے ہئیتی تنوع کے پیشِ نظر بھی اٹھارہویں صدی کی نعتیہ شاعری کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

نمونہ ہائے کلام

قصائد

ولی دکنی (م۱۷۲۰-۱۷۲۵ء)

قصیدہ

(در حمد و نعت و منقبت و موعظت)

(یہاں موعظت کے اشعار حذف کیے گئے ہیں)

لے زباں پر تو اوّل اول　　نام پاک خدائے عزو جل
لائق حمد نہیں ہے اس بن اور　　اس اپر متفق ہیں اہلِ ملل
یاد اس کی ہے سب اپر لازم　　شکر اس کا ہے مدعائے سکل
آسماں اور زمیں کے سب مسکن　　یاد کرتے ہیں اس کوں ہر پل پل
شکر اس کا محیط اعظم ہے　　وہ ہے سلطانِ بارگاہِ ازل
اس کے بھیتر اگر شناور ہوں　　روز محشر تلک سکوں نہ نکل
بعد حمدِ خدائے بے ہمتا　　یاد کر نعتِ سیّد مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں　　دو جہاں مثلِ دانہ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا　　صف آخر میں جوہرِ اوّل
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب　　آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کو　　بادشاہاں کا رنگ ہے دنگل
گر کرے بحر پر غضب کی نظر　　ماہیاں جائیں جل کے بھیتر جل
اس فصاحت اگے دسے مجگوں　　نطق سحباں عبارتِ مہمل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ　　عشق اس کا ہے ہادیِ اکمل
نام اس کا ہے حرزِ ہر مومن　　یاد اس کی ہے دافعِ کلول

دیکھ اس زلف و مکھ کو بے جا ہے — بحر اور بر میں عنبر و صندل
بعد اس آفتاب انور کے — چار ہیں اہلِ علم و اہلِ عمل
صاحبِ صدق و عدل و علم و حیا — ایک سوں ایک اکمل و افضل
ان کوں اصحاب میں سباقت ہے — دین کوں جو کیے قبول اوّل
ہیں دُجے وو کہ دین کے بل سوں — کفر کے دست و پا کوں کیتے شل
ہیں تجے وو کہ جن کے لو ہو سوں — رنگ پکڑا کلام عزّ و جل
ختم خلفا کی کیا کہوں میں بات — جس کے رتبے کا عرش پر ہے محل
جب ہوا وہ سوار دلدل پر — فوج پر فوج دل پہ مارا دل
وو ہے یکتائے دیں کہ جن نے کیا — لاکھ مشکل کوں ایک پل میں حل
نام اس کا کہ جس کے تقویٰ سوں — زور نے زور بل نے پایا بل
ہے علی وو کہ جس کی دہشت سوں — جی گیا دشمناں کا تن سوں نکل
خوف اس کا عدو کی چھاتی پر — جیوں ہرن کے سِنے اوپر چیتل
ہیں یہ چاروں ستونِ شرع متین — دیں کا ہے ان سوں مستقیم محل
مشرق و مغرب و جنوب و شمال — سب کوں ان چار ذات سوں ہے بل
چار عنصر ہیں دین کے تن کے — چار دیوار باغ شرع نچھل
ہیں یہ اسلام کے صحیفے پر — چار اطراف صورت جدول
نام ان کا ہے عرش کے اوپر — گرچہ ظاہر ہیں آسماں کے تل
بعد ان کے ہیں دو امام جہاں — نور چشم پیمبر مرسل
ہر دو سلطان کشور کونین — ہر دو مقبول شاہ روزِ ازل
ایک کا تن ہوا ہے اطلس سبز — ایک خوں سوں کیا زمیں مخمل
ملک ہستی میں دشمناں کے سبب — جو کہ گزرا ہے ان پہ حال کبل
اس میں دم مارنے کی جاگا نہیں — یہاں خموشی ہے سب ستیں افضل
مقصد دو جہاں وو پایا ہے — جو کیا جیو ان اُپر بل بل[1]

۱۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی، اترپردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۹ء، ص: ۳۴۸

نعتیہ قصیدہ

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے
یار کے گلزار پر دونین کر ابرِبہار
پیچ کھا سینے میں دل کو سنبلستانی کرے
مرتبہ خلّت پناہی کا وہ پاوے گا جو کُئی
مثلِ اسماعیل اول جی کوں قربانی کرے
جوش دے یکبارگی دل کے دریا کوں لہوستی
گوہر انجھواں کوں رو رو رنگ مرجانی کرے
جو اپس تن کو گلاوے عشق میں ہر صبح و شام
وہیچ کامل ہو سو جیسے ماہ تابانی کرے
سرخ روہو آبرو دوجگ میں پاوے اے عزیز
دل کو لوہُو کر اول لوہو سوں جو پانی کرے
عشق کی آتش میں جالے تن کوں جو کُئی رات دن
وہ قیامت لگ سوجیوں سورج درخشانی کرے
وہیچ پاوے مطلب راضیۃً مرضیہً
محض للہ جگ میں جو اعمال پنہانی کرے
درود پڑھتے درد کا انجھواں کی تسبی ہاتھ لے
دل کوں کر سیپارۂ غم ذکر قرآنی کرے

عشق سوں فارغ جو کُئی رہ نحس اکبر ہے مدام
ساتویں کھنڈ پر اگر ایوان کیوانی کرے

وہیچ دانا ہے تجے گردون دوں کوں اے عزیز
سٹ کے دنیا کوں جو کُئی جگ میں خدا دانی کرے

اپنے مطلب کی یو لیلیٰ کا وہی دیکھے جمال
عشق میں دل کوں جو مجنونِ بیابانی کرے

حشر میں شیریں ہو وو حق سوں سنے شیریں بچن
شوق میں دل کوں جو فریاد کہستانی کرے

بوریائے بے ریاکوں تخت سوں بوجھے ادھک
اس اُپر ہو کر سلیماں شکر رحمانی کرے

جیوں انگوٹھی میں نگینہ یوں کرے تسخیر خلق
تخت دل کوں جو بہ از تخت سلیمانی کرے

زندگی پاوے ابد کی جگ منیں وہ خضر وقت
جو اپس کوں فدویِ محبوبِ سبحانی کرے

یامحمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جیو کوں تجھ پہ قربانی کرے

وہ اچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے

زیّنو الحانکم کا گر سنے داوٗد ناد
ہووے خوش دربار پر تیرے خوش الحانی کرے

نوح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ ٹھانوں
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے
رتبۂ عالی میں دیکھے حق نزیک اپنا کلام
گر کلیم اللہ آ تیری ثنا خوانی کرے
جسم کوں سٹ روح سوں آوے بہت مشتاق ہو
گر تری امت ، خلیل اللہ کی مہمانی کرے
تب مسیحا فقر کے خط ، کوں سکھے گا تجھ نزیک
مشق کرنے فقر کی جب لوح پیشانی کرے
جس مکاں میں ہے تمھاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آ کے وھاں اقرار نادانی کرے
حکمتاں کی سب کتاباں دھوسٹے یکبارگی
گر فلاطوں تجھ دبستاں میں سبق خوانی کرے
تجھ قدم پر جو اپس کا سیس راکھے جیوں سُرج
وہ قیامت لگ ایسی چہرے کوں نورانی کرے
کیا ملک کیا انس و جن ، یو جگ میں کس کوں ہے سکت
خط بنا تجھ مکھ کے جو تفسیر قرآنی کرے
دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آوے شوق سوں
جب گلستان ارم کی تو خرامانی کرے
عارفاں بولیں گے جان و دل سوں لاکھوں آفریں
جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے[1]

۱۔ کلیاتِ ولی، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی، ص:۳۵۵

رفیع سودا (۱۷۰۶ء-۱۷۸۱ء)

قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین خاتم النّبیین

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جو تیغ بے جو ہر و گر نہ ننگ عریانی
فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہِ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جُز پریشانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی
عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی
کرے ہے الفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود کم جاتی ہے پہچانی
اکیلا ہوکے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمر خضر طولانی
اذیت وصل میں دونی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصلِ گل میں مرغ بستانی

موقر جان اربابِ ہند کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اسے عزت ہے عریانی
برنگِ کوہ رہ خاموش حرفِ ناسزا سن کر
کہ تا بدگو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی
یہ روشن ہے برنگ شمع ربط باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمنِ جانی
نہیں غیراز ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جبتک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہے پانی
کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ ہے صفاہانی
طلوع مہر ہو پامالِ حسرت آسماں اوپر
لکھوں گا پھر غزل گر اس زمیں میں مطلعِ ثانی

مطلعِ ثانی

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجبِ تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقشِ پا سے تاعدم نکلی نہ حیرانی
ہماری آہ تیرا دل نہ نرماوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینے کو پتھر ہوگئے پانی
تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے ان کی پریشانی

زمانے میں نہیں کُھلتا ہے کارِ بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیونکر باآسانی
جنوں کے ہاتھ سے سرتا قدم کاہیدہ ہوں اتنا
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی
نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی اندوہِ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی
سیہ بختی میں اے سودا نہیں طولِ امل لازم
نمط خامہ کے سر کٹوائے گی ایسی زباندانی
سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی
خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیراز پشیمانی
نظر رکھنے سے حاصل ان کے چشم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے ضعف یا کھینچے پریشانی
نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ قت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی
زہے دینِ محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے اس کے چشمِ عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اس کی
امانت دارِ نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی میں تا آیاتِ قرآنی
خیال خلق اس کا گر شفیع کا مراں ہووے
رکھیں بخشش کے سرمنت یہودی اور نصرانی
زباں پر اس کی گزرے حرف جس جاگہہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی
رکھا جب سے قدم مسند پر آ اُن نے شریعت کی
کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی
رکھا نقصان پر خس کے شرر کا ٹک ارادہ ہو
گرہ کو آگ کے ووہیں کرے غرق آن کر پانی
موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی
یہ کیا انصاف ہے یارو کہ طیر و وحش تک جگ میں
اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جانی
پلے ہے آشیاں میں باغ کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلہ کی سوپنی ہے نگہبانی
ہما آسا ہے پرواز ملخ اوجِ سعادت پر
کرے ہے مور چڑھ کر سینۂ دد پر سلیمانی
کھلے ہے غنچۂ گل باغ میں خاطر سے بلبل کے
جو اب اوراق جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی

جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا
تو اس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی
ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی
نہ ہونے سے جدا سایہ کے اس قامت کے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوب سبحانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجاہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں کچھ تو ہوں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہم ناقص سے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہرِ الوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی
جو صورت اس کی ہے لاریب وہ ہے صورت ایزد
جو معنی اس میں ہیں بیشک ہیں معنیِ ربانی
حدیثِ من رأنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مراثانی
بس آگے مت چل اے سودا میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اس منہ سے اب ایسے کی ثنا خوانی[۱]

۱۔ ماخذ کلیات سودا جلد اول مطبع منشی نول کشور، ۱۹۳۲ء ص: ۲۲۲

قصیدہ در نعت و منقبت حضرت امیر المومنین

اسد اللہ الغالب علیؓ ابن طالب

چہرۂ مہروش ہے ایک سنبلِ مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو
ہیں دو تنک شراب اور ساقی کی چشم مست ایک
کیونکے نہ بگڑے صحبت اب بادہ کش ایک جام دو
میرے تیرے یہ ربط ہے جیسے میان بحر موج
واقعی میں تو ایک ہیں گو کہ ہوئے بنامِ دو
خوں جو کیا ہے بے گنہ تو نے میرا دل و جگر
لیویں گے تجھ سے حشر میں اپنے یہ انتقام دو
تجھ سے وفا و مہر کی دیدہ و دل کو ہے طمع
کرتے ہیں اٹھ ہر ایک دن مل کے خیال خام دو
ابروئے یار کا خیال دل میں رہے ہے روز و شب
ہووے جو تیغِ آبدار کیوں نہ کرے نیام دو
فکر معاد اب کریں یا کہ معاش کا تلاش
زندگی اپنی ایک دم کیونکے کیجیے کام دو
پھینکے ہے منجنیقِ عرش تاک کے سنگِ تفرقہ
بیٹھ کر ایک دم کہیں ہوویں جو ہمکلام دو
خود رو بزرگ دہر میں نسبتِ جام و شیشۂ جاں
بادہ تو ان میں ایک ہے گو کہ ہوئے بنام دو

دل کو میاں خط و زلف میں جو رکھے یہ عدل ہے
ایک یہ مرغ نا تواں جس کے لیے ہیں دام دو
کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہووے گی خوب یہ غزل
ہمرۂ نعت و منقبت کر اسے انصرام دو
اپنی یہ عرض اس سے ہے کہ تو بھلا یہ کیونکہ ہو
ایک زمین سنگلاخ اس میں تو ہوویں کام دو
دے ہے جواب مجھ کو وہ ایک غزل تو کیا ہے یہ
ایسے کہے قصیدہ تو صبح سے لے کے شام دو
مطلعِ نعت و منقبت کہہ تو چکا ہے میری جاں
بس مجھے آکے مانگ لے کرکے تو اب کلام دو
مثل زبان خامہ ہیں گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گوکہ ہوئے بنام دو
ہونے نہ دے غروب ایک بہرِ نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرص نہِ تمام دو
جاکے انھوں کے رتبہ تک باندھے ہوں یہ خیال وہم
وقت مراجعت جو کوچ ایک کریں مقام دو
ان کے طواف روضہ کو پہونچے کبھو نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح در پہ انھوں کے وقت طواف
ایک بنے جو چو بدار کرتے ہیں اہتمام دو
سجدہ کرے ہیں مہرومہ در پر انھوں کے روز و شب
مبرہن اس سے یوں ہوا داعی ہیں یہ غلام دو

ہوتے حکیم کس سبب معتقدِ قیام دہر
دیتے نہ گر زمانہ کو مل کے یہ انتظام دو
وصفِ براق و دلدل اب کہہ تو میں کیا بیاں کروں
شرق سے تا بغرب تک جس کے تئیں ہیں دو گام
مرضیِ حق نہیں ہے یہ دو ہوں در اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر ایسے ہیں خوش خرام دو
برش انھوں کے تیغ کی مجھ سے بیاں نہ ہوسکے
خامہ کی اب زبان ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو
اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے آپ کو
احولوں کی طرح اسے آوے نظر تمام دو
یاد ہیں اس کے گر عدد دیکھے جو اپنے باپ کو
مائی کہے تجھے حلال ایک ہے اور حرام دو
سودا اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے ان کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو
چاہے تھے طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہیں علی نبی سے یوں اس کا صلہ تمام دو
ہے یہ امید اس سے یہی یوں علی سے نبی ﷺ کہیں
اوروں کو دو جو ایک جام دیجیو اس کو جام دو
یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے با احترام دو[1]

ا۔ کلیات سودا، جلد اول، ص: ۲۲۴

جعفر علی حسرت (م:۱۷۹۱ء)

قصیدہ در حمد و نعت و منقبت و مدح حسینؑ

سبحہ سجادہ و اسلام و حرم چاروں ایک
عاشق و بتکدہ و کفر و صنم چاروں ایک
اس کی دو چشم و دو ابرو ہو بہم چاروں ایک
کہتے ہیں دل کہیں چھوڑیں گے نہ ہم چاروں ایک
ایک جی کا مرے پھر آہ خدا حافظ ہے
جب ہوئے دردو غم و رنج و الم چاروں ایک
مومن و گبر و نصارا و یہودی ہر ایک
تو نے مذہب کیے اے عشق کے غم چاروں ایک
عشق کے آتے ہی صبر و خرد و ہوش و قرار
مشورت کرکے وہیں کرگئے رم چاروں ایک
یار و غمِ عشق و فلک آٹھ پہر اس دل پر
کرتے ہیں ظلم و جفا جور وستم چاروں ایک
کس سے داد فلک و یار و غم و عشق ملے
سب یہ دشمن ہیں نہ افزود نہ کم چاروں ایک
غم ہے اس عشق سے اور یار سے عشق اور وہ یار
چرخ کے ہاتھ سے یوں کرہیں بہم چاروں ایک

لیکن ان تینوں کا باعث یہ فلک ہے جس کے
باعثِ ظلم سے میں نے کیے ضم چاروں ایک
یہ فلک وہ ہے کہ یاں جس سے بہر موجودات
ملیں عنصر تو کریں رو بہ عدم چاروں ایک
جُز خرابی کے نہیں اس کی غرض کرتا ہے
یہ مخالف جو طبائع کوئی دم چاروں ایک
خاک و باد، آتش و آب اس سے ہیں سب سرگرداں
جسم اس سے جو بنیں پاویں الم چاروں ایک
آبشارِ چمن و جام مے و شبنم و ابر
اُس سے رکھتے ہیں سدا چشم میں غم چاروں ایک
کون فریاد کو ہم غم زدگاں کی پہونچے
بفغاں ہیں دل و جان و لب و غم چاروں ایک
ہاں مگر ذات نبی اور علی اور حسنین
دو جہاں میں ہیں یہ ملجائے الم چاروں ایک
مدح میں جن کی یہ مطلع ہے کہ لیں جس سے نور
مشتری ، زہرہ ، مہ و مہر بہم چاروں ایک

مطلع

خالق الخلق کے مظہر ہیں اتم چاروں ایک
گرچہ ہیں چاریہ تن ، رکھتے ہیں دم چاروں ایک

چار آئینہ ہیں ان میں متجلی اشکال
ہیں جناب احدیت کی قسم چاروں ایک
گیتی و دہر و فلک اور زمانہ ان سے
کہیں قربان ہیں ایک ایک پہ ہم چاروں ایک
حکم بن یہ متحرک ہوں جوٹک کیا قدرت
ان کی تحریک بنا یہ رہیں تھم چاروں ایک
عدل میں ان کے کسی وقت کسی دم کوئی
کیا ہے طاقت جو کریں مل کے ستم چاروں ایک
گھر خدا کا تو منور ہے انھی چاروں سے
روشنی بخشے ہیں یہ شمعِ حرم چاروں ایک
اول ان میں سے وہ احمد ہے احد کا جلوہ
جس کے ہیں علم و عمل تیغ و علم چاروں ایک
مطلع اک وصف میں معراج کے جلدی میں لکھوں
کر دل و دست و زباں اور قلم چاروں ایک
کیا اٹھاتا ہے براق اس کا قدم چاروں ایک
یاں تھے یا عرش پہ معراج کے دم چاروں ایک
گرچہ امی ہے پہ تو ریت و زبور و انجیل
اوس کے قرآں میں ہوئے مل کے بہم چاروں ایک
حکم نے اوس کے مسخر کیا ایسا کہ ہوئے
شرقی ، غربی ، عرب ، اہل عجم چاروں ایک
معرفت اور طریقت یہ حقیقت سب آج
مل شریعت کے بنے اوس کے علم چاروں ایک

رفتمائیل و سرافیل سے لے کر تا جبرئیل
تنکفیل اس کے ہوئے اب یہ خدم چاروں ایک
آستانے پہ سدا اوس کے جبیں ملتے ہیں
ہوکے اقبال و ظفر جاہ و حشم چاروں ایک
مشک و کافور ہے بُو اس کی عبیر اور گلاب
مختلف پاوے نہ ہر قوت شم چاروں ایک
حق تحیات و سلام اور درود و صلوۃ
تحفہ بھیجے بہ شہنشاہِ امم چاروں ایک
ثانی اس کا ہے علی ناتے ہیں جس کے اس سے
خویش و یار و جگر و زادۂ عم چاروں ایک
وصف میں اس کے بھی مطلع لکھے حسرؔت جو وہ اور
عرفی و سعدی و سحباں ہوں بہم چاروں ایک
ہوں قضا و قدر و لوح و قلم چاروں ایک
تیری قدرت کریں تب مل کے رقم چاروں ایک
ہے وہ دریا تری بخشش کا کہ ہے جس کے حضور
قطرۂ آب و دُر و قلزم و یم چاروں ایک
عدل میں تیرے جو دیکھا تو کریں ہیں بازی
ہوکے شیر و بقر و گرگ و غنم چاروں ایک
دین پر تیغ دو سر سے کیے تو نے شاہا
خیبر و بدر و حنین ، بیر الم چاروں ایک
گھیرنے میں ترے اعدا کے ہیں میدان کے دن
ضعف ، ناطاقتی و مرگ و ہرم چاروں ایک
نعرۂ حیدری میدان میں جس دم تو کرے
گوش غنوا کے ہوں اور گوش اصم چاروں ایک

برق اور قہر خدا ، شعلہ و جوالہ و نار
تینوں یہ اور تری تیغ کا دم چاروں ایک
دوڑیں دلدل کے ترے ساتھ جو افتاں خیزاں
نظر و وہم و گماں عقل بہم چاروں ایک
شرق اور غرب ہی میں پھیر وہ جا کر پاویں
اس سبک روکے بہم نقش قدم چاروں ایک
قوس و میزان و ہلالِ فلک و بلکِ فلک
جوں کماں لائیں ترے زور سے خم چاروں ایک
شاہ سے تابگدا دوست سے لے تا دشمن
تجھ سے نت رکھتے ہیں امیدِ کرم چاروں ایک
تیرے فرزند ہیں شاہ ان کی غلامی میں بدل
ہیں فریدوں و سکندر ، کے و جم چاروں ایک
جو بلا حق نے کہی اُن کی رہی صرف یہی
آرے اور خوب بہ لا اور نعم چاروں ایک
مطلع ایک ان کی رضا کا ہے کہ جس سے دن رات
جسم و جاں سینہ و دل رکھتے ہیں غم چاروں ایک
نیک و بد نفع ضرر ، تم کو بہم چاروں ایک
آب شمشیرو سناں ، شربت و سم چاروں ایک
ہوں میں قربان ہوئے تم پہ یہ رکھ یا حسنین
تشنگی گرسنگی مرگ و الم چاروں ایک
غم تمھارے میں ہیں یہ داغ دل و چاک جگر
نالۂ شعلہ زن و چشم کا نم چاروں ایک
سر دیا باپ نے نانا نے دیے دو دنداں
تم نے حلقوم و جگر اہل ہمم چاروں ایک

حسرتِ خستہ جگر کی ہے یہ تم سے فریاد
داد لو چرخ سے تم ہوکے حکم چاروں ایک
میں تو مداح تمھارا ہوں مری خاطر میں
ہے سدا سنگ و گہر دام و درم چاروں ایک
ایسے شعرا کو تو نسبت نہیں مجھ سے حاشا
بہرِ زر کرتے ہیں اشیا جو بہم چاروں ایک
زور قوت سے تمھارے ہے مری طبع کو جو
سہل آسان ہے دشوار و اہم چاروں ایک
شعر کے فن میں ہے اک مرثیہ اور عشق کا دار
تیسری مدح ہے اور چوتھی ہے ذم چاروں ایک
میں قصیدے میں لکھا اب غمِ دل ذمِ فلک
پھر کہی مدح و ثنا مرثیہ ہم چاروں ایک
آگے حسرت کو کوئی مانے نہ مانے کہ اصم
سمجھے فریاد و فغاں حرف و نغم چاروں ایک
ایک تاریخ رہی تھی سو کیا میں یہ درج
مدح شاہوں کی ہوئیں کیا ہی رقم چاروں ایک[1]

ا۔ ماخذ کلیات حسرت، مرتبہ نورالحسن ہاشمی، سرفراز پریس لکھنو ۱۹۶۶ء ص:۳۰

قیام الدین قائمؔ (م:۱۷۹۳-۱۷۹۴)

قصیدہ در نعت حضرت سرورِ کائنات

ہے اس حدیقے میں جوں غنچہ اس کی زیست بہ کام
کہ تنگ آئے جو شیشے سے مشتغل ہو بہ جام
جو وضع باغ جہاں دیدنی ہے تو بارے
عدم سے آئیں ہیں کیوں بند دیدۂ بادام
ہے ساتھ عیش کے زیرِ سپہر کلفتِ غم
کہ متصل ہو شفق سے ہمیشہ ظلمتِ شام
ڈر آہ اہلِ کدورت سے تو کہ برق بلا
زبانہ زن ہے سدا مثل شعلہ زیر غمام
نہ ہوئیں اہلِ صفا لطفِ غیر کے مرہون
کہ تیغِ موج کو ہے اپنی آپ ہی سے نیام
نہ جل کے خاک ہو کیونکر اساس خانۂ دل
ہو عشق شعلہ طبیعت جہاں مدار مہام
میں ہوں وہ دانۂ آتش رسیدہ بو کے جسے
خجل ہے آپ کشاور ز گردشِ ایام
خدا ہی جانے کہ کیا اس وجود سے تھی مراد
کہ ہے نہ کفر کے لائق نہ قابلِ اسلام
جو نا تمامی خلقت یہی ہے اپنی کہ ہے
تو بعد مرگ بھی شاید کہ ہو جیے نہ تمام
یہ ناقبول بد و نیک ہوں میں جگ میں کہ ننگ
قبولِ عکس سے میرے ہے آئینے کو مدام

گنہ کیے ہیں میں جتنے سو ہیں حساب سے بیش
ڈرے ہے دل کہ ہو روز حساب کیا انجام
شب گزشتہ میں سوچ تھا ان عمل کے تئیں
جو قوّہ سے کہ وہ آئے ہیں فصل پیچ تمام
زبس خراشِ ندامت تھی گوشہ گیر خیال
کمیں میں دل کے میں پاتا تھا سیکڑوں آلام
کچھ آں زمانہ عجب مخمصے میں تھا میں اسیر
کہ دل کو غم سے تسلّی نہ جان کو آرام
سروشِ غیب نے ناگاہ گوشِ دل میں مرے
جنابِ حضرت حق سے دیا یہ لا کے پیام
کہ اے شکستہ دل کوئے نیستی ہے تری
اگرچہ حد سے زیادہ مذلت اقدام
پہ رحم کرکے ترے حال پر بہ وضع نوید
کہے ہے داورِ دادار تجھ کو بعد سلام
کہ تھا تو ہمہ دوزخ تو فعلِ بد کے سبب
پہ بخشے جرم ترے میں پئے شفیعِ انام
زہے شفیع کہ گر ہو نہ اُس سی چشمِ کرم
تو اک جہانِ تباہ کار کا تباہ ہو کام
ہے حل و عقد جہاں اس پہ اس طرح موقوف
کہے تو ہاتھ میں اس کے ہے آسماں کی زمام
قبول دیں ہو نہ اس کا اگر مدد ولود
لعاب نطفہ تہوع سے ڈال دیں ارحام
جو قصر داد میں اس کے فروغ شمع کو دیکھ
ہو آشیاں میں کوئی مرغ رات بے آرام
تو دن میں مہر کو چڑھ آئے اس سبب تپ ولرز
کہ ہوں میں نور کی نسبت سے خلق میں بدنام

نہ ایک باز کو صحرائے عدل میں اس کے
رکھے ہے جان سے عاجز ہمیشہ خوف حمام
ہے بیم میش سے یاں خیل گرگ کا یہ حال
کہ جوں پلنگ سے بھاگے ہے گلۂ اغنام
میں قصرِ قدر کی اس کے کہوں سو کیا رفعت
کہ پہلی سیڑھی ہے جس کی نہ آسماں کا یہ بام
ہے جی میں واں میں یہ مطلع پڑھوں حضور کے بیچ
جہاں نعیم دو عالم ہیں کم تریں انعام
ہے اس طریق پہ تجھ پہ جہاں کا ربط و نظام
ہو ساتھ شخص کے سائے کو جس طرح سے قیام
مطیع امر کا تیرے نہ ہوئے کیوں کے سپہر
ہے ہفت پشت سے اس خاندان کا وہ غلام
رواج دیں ہے ترا اس قدر کہ نسبتِ کفر
کریں ہیں دیر میں راہب پہ ہم دگر اصنام
جو بارِ حلم ترا دوش چرخ پر رکھیے
ہو جوف تخت میں رفعت کا فوق کی ادغام
خلا ز بس کہ جلالت سے تیری ہے مملو
نگہ کو تاسرِ مژگاں ہیں چشم سے سو گام
جہاں شمار ہو اعدا ترے کی تنگی حال
فراخ وسعتِ گردوں سے واں ہے چشم لیام
کیا ہے جب سے کہ تیں مسکرات کو مطلق
ز روئے رحم جبلت جہانیاں پہ حرام
رحیق مے کا جگر خوں ہے خوف سے ہر وقت
ہے برگ بنگ کا خطرے سے سبز چہرہ مدام
بسان شمع نہ سایہ تھا اس لیے تیرے
کہ خلق ہوئے گی سائے ترے میں روز قیام

جو خلق سے ہو ترے عنکبوت کو تعلیم
ہزار پیل کو رکھے وہ ایک تار سے تھام
خدا نہ کردہ جو تیری نگاہ خشم کے ساتھ
پڑے معاملہ گردوں کو قہر کے ہنگام
ہوا میں جیسے دھواں دم میں ہوئے ہے ناچیز
ہوں اس طرح متلاشی سپہر کے اجرام
کرے نہ مہر جو تجھ صبح رائے سے دعوا
تو کیوں زمانہ اسے پٹکے خاک پر ہر شام
دو بندہ ہائے کمیں ہیں ترے قضا و قدر
نگاہ دو ختہ برلب ، مطاوع احکام
ہے بحر عدل ترا جب سے جوش میں ہر گز
رہا نہ صفحۂ آفاق پر غبار ظلام
رکھے ہے خوف ترے قہر کا عدو کو یہ خشک
کہ تف سے دل کے اب اس کے کھلیں جو تن کے مسام
عجب نہیں کہ کرم خوردہ چوب کی مانند
عوض عرق کے جھڑیں خاک ہو بدن سے عظام
کرے نہ عدل ترا کر بخار ظلم فرو
رکھے نہ خلق ترا گر جہاں کا تازہ مشام
قریب ہے کہ ہوں پردوں میں آسماں کے ورم
یقین ہے کہ فلک کو ہو خبط یا سرسام
میں تیرے رخش کی جلدی کو کیا کروں تقریر
کہ جس کی سیر سے عاجز ہے سرعتِ اوہام
بسان شعلہ ہے تحریک باد سے مضطر
برنگ باد ہے اپنے میں آپ بے آرام
ہے وہ رَوِندہ کہ صحرا تراش و کوہ شگاف
ہے یہ دوندہ کہ گردوں نورد و عرش خرام

جو مہر و ماہ ہوں اس کی رکاب میں بالفرض
تو یہ سریع ہو سرعت میں گردش ایام
کہ بس کہ جلد گزر جائے دورۂ شب و روز
تمیز ہوئے نہ وقتِ سحر سے موسمِ شام
طلا و نقرہ ترے دست جود کے آگے
ز بس کہ آپ کو پاتے ہیں بے وقار تمام
یہی سبب ہے کہ روپے کا رنگِ رُو ہے سفید
یہی جہت ہے کہ سونے کا زرد ہے اندام
تری تو نعت ہو کس سے پر اس بہانے کے ساتھ
کچھ عرضِ حال کرے ہے حضور میں یہ غلام
شہا ہے شہد سے شیریں کلام منہ کا مرے
بہ یمن لطف عذوبت کلامی خدام
میں ہی ہوں آج وہ عالم میں گوہرِ نایاب
کہ جس کے مول سے خالی ہے کیسۂ ایام
کہاں فلک نے لیا امتحاں قلم کا مرے
کہ میں دیا نہ عطارد کو دس جگہ الزام
کب اس طرح میں لکھی یاں رباعیات و غزل
کہ تر ہوئے نہ خجالت سے سعدی و خیام
شروعِ فکر سُخن میں کرے نہ یاں شاعر
مروڑے کان نہ جب تک وہ لے کے میرا نام
پر اس تفاخرِ بے جا سے مجھ کو کیا حاصل
جو دشمنی میں ہے میری یہ چرخِ نا فرجام
اگر ہوں ماہ ، رکھے مجھ کو تیرہ پائے کسوف
وگر ہوں مہر ، کرے مجھ کو تنگ زیرِ غمام
کبھو کرے ہے جو میری دوائے صفرۂ لوں
تو اس طرح سے کہ دیتا ہے دُرد بادشام

بنائے عیش رکھی میں کہاں کہ صد اندوہ
طرح سے سیل کی پہنچے نہ واں گستہ لجام
ہوئی وہ صبح کب ایسی کہ مثل غنچہ میں دل
بھرا نہ خون سے مانند شیشۂ حجام
خدا کے واسطے مجھ کو خدا سے چاہ تو اب
کہ ردّ نہیں ہے کسی حق میں مقبلوں کا کلام
شبِ سیاہ میں زورق شکستہ ، باد یہ تند
ہے آگے قلزم و پیچھے نہنگِ خوں آشام
جو ایسے وقت میں تو ہی نہ دست گیر ہو تو
امید کس سے رکھے یاوری کی پھر یہ غلام
بس اب اس ہرزہ سرائی سے باز آ قائم
ادب ضرور ہے ظالم کہ ہے ادب کا مقام
ہے دیر باب اجابت کھلے ہیں منہ پر ترے
اٹھا دو دست و سُخن کو کر اب دعا پہ تمام
الٰہی جب تئیں باہم فقیہہ و دانش مند
اسے حلال بتاویں اسے کہیں کہ حرام
عدوئے دیں پہ ترے ہو حرام ساغرِ عیش
حلال جام طرب ہو موالیوں پہ مدام[1]

ا۔ ماخذ کلیات قائم، جلد دوم، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء ص:۸۷

جوشش عظیم آبادی (م:۱۸۰۱)

قصیدہ در نعت جناب رسالت مآب احمد مجتبیٰ و محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جو کوئی درگہِ عالی کا تیری ہو زوّار
لگے پلک سے پلک پھر نہ اس کی آئینہ وار
ہر ایک زینۂ در ہے کہ رشک پایۂ عرش
ملائکانِ مقرب کا واں نہیں ہے گزار
سپہر پایہ ہے وہ آستاں ترا جس میں
ستارہ وار ہیں گل میخ دیدۂ بیدار
بنائے گنبدِ عالی ہے ایک قُبۂ نور
فرشتے اس کے ہیں مزدور ، ذاتِ حق معمار
کلس ، کلس نہیں ہے گنبدِ منور کا
گتھے ہیں سینچے میں اس کے سبعۂ سیّار
نظر نہ ٹھہرے ترے مرقدِ مقدس پر
بسانِ طور سراپا ہے وہ تجلی زار
میں راست بازہوں یہ بات راست کہتا ہوں
دو نردبانِ فلک اس کے دونوں ہیں مینار
زمینِ صحنِ مبارک یہاں تلک ہے صاف
نگاہ کیجے تو فلس سمک تلک ہو شمار
جو دیکھے مہر تو آنکھ اس کی بھی جھپک جائے
جھلک رکھے ہے یہ ہر وقت ہر در و دیوار
لکھے ہیں آیۂ قرآن سب برآب طلا
بیان میں نہیں آتا کچھ اس کا نقش و نگار

ظہور نور ترا یوں محیط عالم ہے
کہ جیسے نقطے کے عادی دوائرِ پُرکار
ترا کلام وو معجز بیان ہے شاہا
کہ سنتے ہی کفار ہوگئے دیں دار
جو ہو بڑا ہی زباں آور و کلیم کلام
نہ ہوئے اس کو ترے آگے طاقت گفتار
ترا وہ ابرِ کرم خلق پر ہے سایہ فگن
بجھا دے آتش دوزخ کو جس کی ایک پھوار
تری سخا کے سبب کیسہ ہر تہی کیسہ
رکھے ہے ماہ سے ماہی تلک پُراز دینار
تمام عالم اگر زنگ بار ہو جائے
نہ دیکھے تیغ عدو کش تری رخ زنگار
جو تیر دست مبارک فلک پہ جائے بیٹھ
ادھر نظر پڑے سوفار ادھر ہو پیکاں پار
عجب نہیں ہے کہ اس شبہے میں پڑے عالم
کہ ہے یہ اخترِ تابندہ یا کہ ہے سوفار
زبان میری ہے قاصر بیان میں اس کے
میں کس زباں سے کروں معجزے ترے اظہار
یہ معجزہ ہے کہ امی لقب ہو جو کوئی
اسی پہ علم لدنّی کا آخرش ہو مدار
یہ معجزا ہے کمر بند ہاتھ ہی میں رہا
نظر نہ آیا کمر کا تری کہیں آثار
مہندسان زمانہ ہزار قصد کریں
کسی سے ہوئے نہ اعجازِ احمدی کا شمار
کشایش اس کی ہے تقدیر میں ترے ہاتھوں
کھلے نہ ناخن تدبیر سے جو عقدۂ کار

وو جرم بخش کہ بخشائش گنہ اس کی
زباں پہ آنے نہ دیوے کسی کے استغفار
جو بُوئے گلشنِ خلق اس کی لے نہ جائے نسیم
نہ مشک بُو ہو کبھی ناف آ ہوئے تا تار
زمیں بھی پھرے پانی میں جوں کف دریا
سر زمیں پہ اگر ہو نہ اس کے علم کا بار
دغا کے روز ہو کیسا ہی رستم دستاں
مقابلہ نہ کرے اس کا لائے رُوبہ فرار
جہاد پر جو کمر باندھے لشکرِ اسلام
کلوخ ہاتھ نہ آئے بجز سرِ کفار
کیا کریم نے حلاّلِ مشکلات تجھے
ترے کرم سے نہ دشوار ہوگئے دشوار
تری جنابِ مقدس میں اے شہِ کونین
دعا یہ مانگوں ہوں میں صبح و شام لیل و نہار
گناہ گار ہوں عاصی ہوں امتوں میں تری
شمار ہوں نہ جرائم مرے بہ روزِ شمار
زمیں کے سر پہ ہے جبتک کہ سائبان فلک
فلک کے سر پہ ہے جبتک کہ مہر کی دستار
موافقوں کے پڑے پاؤں دولت و اقبال
مخالفوں کے رہے سر پہ سایۂ ادبار[1]

ا۔ ماخذ: دیوان جوشش مرتبہ: قاضی عبدالودود، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۴۱ء ص: ۲۴۲

شیر محمد خان ایمان (م:۱۸۰۶)

نعتیہ قصیدہ

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں
لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں
ساقی نہیں ہے یہ گُلِ نیلوفر آب میں
رکھا ہے میکشی کے لئے ساغر آب میں
حیراں ہوں میں حُباب کے ہر دم شعور پر
خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں
سیراب یہ نہ جانیئے لالہ کا ہرورق
تر عاشقوں کے خون کا ہے محضر آب میں
سینہ کی یہ صفا ہے کہ آتا ہے دل نظر
جیسے نظر پڑے ہے کہیں کنکر آب میں
ہر موج میں ہے جلوہ نسیم بہار کا
کرتا ہے جب شنا وہ چمن پیکر آب میں
ظالم مرا ہے نالۂ افسردہ اُس طرح
شمشیر جیوں بجھاوے ہے آہن گر آب میں
ہر اک زبان موج سے تھا شور جوش عشق
منصور کی جو ڈال دی خاکستر آب میں
ہے سیل اشک دیدۂ عشاق کو مفید
تازہ رہے ہے جیسے گُل عبر آب میں
پروازِ مرغ اوج ہوا پر فقط نہیں
ماہی کو بھی خدا نے دیے ہیں پر آب میں

کشتی وہیں پہنچتی ہے چاہے جہاں خدا
گر ناخدا ہزار رکھے لنگر آب میں
یوں جلوہ گر ہے آئینہ میں عکس خال یار
جیسے ہو خوشنما گُل نیلوفر آب میں
زائل کسو طرح نہ ہو قسمت سے تیرگی
زنگی ہزار دھووے اگر پیکر آب میں
پُہنچا تری کی راہ سے آتش میں بے گماں
فرعون کا جو غرق ہوا لشکر آب میں
گویا زبان حال سے یہ سطر موج ہے
کب معنی ثبات ہے نقش بر آب میں
ایمان کیجے ایسے شہنشاہ کی ثنا
لرزے ہے جس سے عکس شہ خاور آب میں
ہیبت سے جس کے عدل کے اب جس کے روبرو
رہتی ہی موج شام و سحر منصطر آب میں
یہ امن ہے کہ شیشہ خالی حُباب کا
پھوٹے نہ گر ہزار چلے صرصر آب میں
جس کے قدم شہود میں رکھتے ہی غیب سے
کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں
یعنی رسول خاتم و محبوب ذوالجلال
تر سب ملل کا جس نے کیا دفتر آب میں
والیل جس کی زلف کی ہےشان میں نزول
ڈوبا اسی کی شرم سے جا عنبر آب میں
جاری ہو ایک نہر ہر اُنگشت سے وہیں
رکھے وہ اپنا پنجۂ معجز گر آب میں
شیریں ہے اس کے آب و ہن سے چاہ شور
گویا کہ گھول دی ہے ابھی شکر آب میں

بیشک اسی کے چشمہ نوشیں کی شرم سے
ڈوبا ازل کے روز سے ہی کوثر آب میں
برسا یہ اس کا ابر کرم ہے کہ آج تک
آب گہر صدف کا بھرے ساغر آب میں
جس کا یہ عدل ہی کہ ہر ایک غوک ناتواں
عہدے ستی نہنگ کے آوے بر آب میں
دریا ہو اُس کے قہر کا ٹک موج زن کبھو
پل مارتے میں غرق ہو بحر و بر آب میں
ہوتا ہے آب تیغ رواں اس کا جس جگہ
مثلِ حُباب بہتے ہیں لاکھوں سر آب میں
بخشا جواہر اُس کے زبس وست فیض نے
نے لعل کان میں رہے نے گوہر آب میں
وستِ حفاظت اس کا ہو سایہ فگن اگر
یا قوت کی طرح سے رہے اخگر آب میں
یا شافع امم یہ تمنا ہے بعد مرگ
رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں[1]

۱۔ ماخذ: ایمانِ سُخن، مرتبہ: مولوی سید محمد ایم اے شمس المطابع، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۷ء ص: ۳۵

مظہر علی ولاؔ (م:۱۸۱۴ء)

نعتیہ قصیدہ

سحاب طبع نے میرے یہاں تک کی دُر افشانی
کہ خجلت سے گہر بطنِ صدف میں ہوگئے پانی
نظر کر آب و تاب ملک نظم و معنی رنگین
ہو ایک قطرۂ خون رشک کھا کر لعل رمانی
جواہر خانہ عالم میں جوہر طبع کے میری
نظر آتے تو ہوگی دیدہ بینا کو حیرانی
رہے کیونکر نہ ڈوبا شرم سے مرجان دریا میں
کہ معدن میں چھپا رہتا ہے یا قوت بدخشانی
سُخن کے آگے میرے کب زمّرد کو ہے سرسبزی
نہ آب و تاب میں الماس کی دیکھی درخشانی
سُخن ہے جینے میں فیروزۂ مردہ جلا دوں ہوں
یہ حکّا کی نہیں جانے ہیں ہر گز انسی و جانی
رقم کر نور تن سی اک غزل ایسی ہی اب رنگین
کہ جس کی تاب سے ہو جائیں گوہر سربسر پانی

مطلعِ ثانی

کیا جب خلق پر جلوے کو اپنے اس نے ارزانی
چھپی جا ابر میں خورشید رخشاں کی دُرفشانی
نہ پوچھو کچھ عجب جلوہ خدا نے اس کو بخشا ہے
بجا ہے کہتے اس کو ہے وہ رشکِ ماہِ کنعانی
لب جان بخش اس شیریں ادا کے ہم نے وو دیکھے
کہ جس کے فیض سے پایا خضر نے آب حیوانی
ادا و غمزہ و ناز و کرشمہ اس ستم گر کا
ہر اک ایماں کا غارت گر ہے دل کا دُشمن جانی
نہ پوچھو کوئی مجھ سے اس کماں ابرو کی مژگاں نے
جگر کو چھان مارا کی یہاں تک تیر بارانی
خدا کا ڈر نہیں تجھ کو بِنائے دل کو ڈھاتا ہے
تو کس مُنہ سے کرے ہے شیخ دعوائے مُسلمانی
غرض ہے ذکر اک دن کا کہ جا کر بزمِ رنداں میں
ولاؔ بیٹھا ہوا کرتا تھا میں بھی وہاں غزل خوانی
یکایک یہ خیال آیا کہ کس کی اب ثنا کیجئے
ہوئی دل کو میرے اس سوچ سے اس وقت حیرانی
وہیں فیضانِ حق سے گوشِ دل میں یہ صدا آئی
کہ ہے مدح و ثنا غیر از نبی کے سخت نادانی

اُٹھا کر گر قلم لکھے جو کچھ نعت پیمبرؐ میں
ہلال آسا انامل ہوویں بیشک ووہیں نورانی
کبھی گفتار نے تیری کبھی دیدار نے تیرے
سماعت سنگ کو دی ، خاک کو دی چشمِ نورانی
گدا جو تیرے در کا ہے وہ سمجھے کاہ سے کمتر
اگر دیکھے کسو کے سر پہ اکلیل جہاں بانی
تو وہ جواد عالم ہے کہ تیرے عہد میں حاتم
ترے سائل کا سائل ہے سدا باصد ثنا خوانی
تجھی کو حق نے یہ ہمّت عطا کی فضل سے اپنے
کہ دم میں بخش دے ہے مور کو مُلکِ سلیمانی
ترا دستِ کرم والا گُہر جُودِ مجسم ہے
کہ رشک اس کے سے شرمندہ ہے دائم ابر ملسیانی
ہمم کا تیری شہرہ السنہ پر ہے دو عالم کے
تُو ہی ہے رحمت للعالمیں تیرا نہیں ثانی
نہ تنہا روز و شب نہ چرخ کی گردش ترے تابع
سدا ہیں ہفت اختر بھی تیرے محکوم فرمانی
قدر تنہا نہ فرماں میں ترے آٹھوں پہر ہیگی
قضا بھی کر نہیں سکتی بغیر از حکم جریانی
نشانِ قہر کا تیرے جو کھولے شیر آنکھیں ٹک
ہزبران جہاں کا زہرہ ہو جاوے دوہیں پانی
نہیبِ عدل سے تیرے ہزاروں فتنے بھاگے ہیں
تری چشم تصور میں ہے روشن راز پنہانی

فقط نے عدل سے صعوہ اچک لے باز کی ٹوپی
دیت کشتوں کی چاہے گرگ سے بز بھی بجولانی
اگر طوفاں کی طغیانی فلک سے ہو ز راہ کیں
تو عالم کو اُڑھاوے حفظ کی اپنے تو بارانی
نہ سرعتِ حکم نافذ کی سے تنہا باد ہے حیراں
وقارِ حِلم بھی تیرا کرے ہے سنگ کو پانی
تو وہ اشجع جہاں میں ہے کہ تیر سہم سے تیرے
کرے اجسام سے روئیں تنوں کے خون طغیانی
تری تلوار کی صولت سے دن اور رات ہیں لرزاں
دلیرانِ جہاں سے جتنے ہیگے انسی و جانی
کمیت خامہ کس سے دے ترے شبدیز کو نسبت
کہ جست و خیز میں جس کی نہیں ہیگا کوئی ثانی
کہوں کیا میں جہاں میں وہ سریع السیر ایسا ہے
کہ جس کو دیکھ کر باد بہاری کو ہے حیرانی
پری پیکر ملک سیرت براقِ بے بہا ہے وہ
کہوں بجلی کی کوند اس کو جو اس میں ہیگی جولانی
کروں کیا عرض اب آگے لب و لہجہ ہے کیا میرا
نہ علم و فضل ہے مجھ کو نہ دعوائے زبان دانی
ولے شاہد خدا ہیگا یہی تھی آرزو میری
بطرزِ شاعراں تیری کروں میں بھی ثنا خوانی
سو چند ابیات کر موزوں میں لایا ہوں حضوری میں
بطور اعتقاد اپنے نہ بر دعوائے حسّانی

دوم یہ ہے مرض میرا مبدّل ہووے صحت سے
کرم تیرا کرے میرے مرض کے حق میں درمانی
ثنا وصف سے اس کے تُو اس صفحے کو کر رنگیں
کہ جس کی شان میں نازل ہوئیں آیاتِ قرآنی
وہی ختم النبی ہیگا شفیع المذنبیں برحق
شفاعت کے بھروسے پر ہے جس کے فاسق و زانی
وہ ختم المرسلین ایسا کہ ہے سرتاج نبیوں کا
شرف ہے آدم و حوا کا وہ ہی نُورِ یزدانی
محمد اِسم ہے اس کا وہی ہے سیّد عالم
اسی کا ہر سحر کلمہ پڑھے ہیں اِنسی و جانی
کوئی بھی انبیاء سے اس کے رتبے کو نہیں پہنچا
اوالعزموں میں کوئی بھی نہیں اس کا ہوا ثانی
اگر تشبیہ دوں اس سے کسی کو وہ مثل ہووے
کہ ذرّے کو کہوں روشن ہے جوں خورشید نورانی
اسے منصب نبوت کے سے حق نے سرفرازا ہے
ہوئے فرمان میں اس کے ملک تا انسی و جانی
ہوا یہ مرتبہ کس کا بغیر از ذات احمد کے
کہ جس کی شان میں حق نے کیا لولاک ارزانی
دیا ہے کس کو حق نے آج تک یہ رتبۂ اعلیٰ
کرے رُوح القدس جس بارگہہ کی آ کے دربانی
نہیں ہوتی ہے سیری دل کو ہرگز مدح غائب سے
کروں اب مطلع ثالث میں حاضر ہو ثناخوانی

مطلعِ ثالث

ترا آئینہ رُخ ہے عجب یہ صنع یزدانی
کہ جس کی دید سے حاصل ہے سب کو نورِ ایمانی
لگا کر عرش سے تا فرش تو ہے خُسرو عالم
تجھی کو شش جہت کی زیب دیتی ہے جہانبانی
تجھے علم لدنی کا حق نے مرتبہ بخشا
کہ ادنیٰ ہے تیرے منبر کا پایا عرشِ ربّانی
خدا نے آیتیں کی ہیں جو تیری شان میں نازل
ہوئی تفسیر ان آیات کی تیری ہی پیشانی
تجھے حق نے کیا ایسا کہ دل سے خلق کے تُونے
مٹا کر کُفر کی ظلمت ، دیا نورِ مُسلمانی
کیا ہے مار ٹھوکر دُور ہمّت نے تیری اسکو
زمانے میں ہے جو کچھ رطب و یابس بحری و کانی
ہوا جو علتِ غائی دو عالم کا تو اے سرور
تیری خنصر کا رتبہ پاوے کب مُہرِ سلیمانی
ملائک کا نہ کیوں آدم ہو قبلہ جب مقدر ہو
کہ اس کی نسل میں تجھ سا خلف ہووے گا ارزانی
تری دولت سرا ایسی وہ فردوس بریں ہمگی
کہ رضواں روز و شب کرتا ہے جس کے در کی دربانی

ترا در ملجا و ماوا نہ کیونکر ہو خلایق کا
کہ رحمت فیضِ حق کی ذات پر تیری ہے ارزانی
تیری خلقت سراپا مایۂ رحمت ہے عالم میں
تُو فیض رَب ہے ظاہر میں تری صورت ہے انسانی
سوم ہے یہ احبّا مومنین سادات جتنے ہیں
کرم سے اپنے سب کو بخشوا دے تو بآسانی
چہارم یہ کبھی مجھ کو خلائق میں کسی دَر کا
نہ کر محتاج دُنیا میں بحق آل عمرانی
یہ پنجم ہے زراہِ مہربانی روزِ محشر میں
شفاعت سے تمہاری ہووے حصّہ مجھ کو ارزانی
ولاؔ کر اختتام آگے قصیدے کو خدا جس کا
ثناخواں ہو کوئی پھر کیا کرے اس کی ثناخوانی(۱)

۱۔ دیوانِ ولاؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، ادارہ ادب وتنقید، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص: ۳۲

راسخ عظیم آبادی (م:۱۷۵۶ء-۱۸۲۳ء)

درنعت سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اعتدال افسوس گردوں کی طبیعت میں نہیں
بس کہ ہے تغییر اس کو گہہ چناں گاہے چنیں
سر پھرا کرتا ہے اس بے مغز بے تہہ کا مدام
کھنگی نے کر دیا ہے بدحواس اس کے تئیں
مرتعش ہے پنجہ خورشید ، مہہ مبروص ہے
اس کی تاثیر ملل سے ہیں سقیم اہلِ زمیں
گلشن عالم کا رنگ اب اور آتا ہے نظر
غنچہ دل سب کے ہیں مقبوض ، خاطر ہے حزیں
وہ جو عاقل تھے دماغی کچھ خلل سا ہے انھیں
چرتے ہیں مانند دیوانوں کے یاں واں ہر کہیں
صاحبانِ علم و دانش بھی مخبط ہیں تمام
فہم قاصر ہو گیا ان کا بہت تھے جو ذہیں
منطقی کے لب پہ حیرانی سے ہے مہر سکوت
محو و خاموش ایسا ہے گویا زباں منہ میں نہیں
گر مہندس سے قمر کا پوچھئے جا کر مقر
بولے بعد از صد تامل یوں کہ چرخ چار میں

دائرہ میں ہے تحیر کے حصاری نقطہ ساں
ہو گئی ہے سست ہر رمّال کی عقل متیں
کچھ کا کچھ کہتے ہین اہل جفر گر کچھ پوچھئے
حرف بھی ان کے حقیقت میں نہیں ہیں دلنشیں
فیل کو پاک اور بز کو جیفہ کہتا ہے فقیہ
سلب تھی کس فقہ داں کی عقل ایسی پیش ازیں
لکھتے ہیں کافور ہے پھر واسطے اس کے طبیب
کھا گیا ہووے اگر کافور کوئی اندوہگیں
آہ کار اہلِ دنیا ہے نہیں برہم تمام
اہل دیں سے بھی نہیں ہو سکتے ہرگز کار دیں
ہاتھ سے زاہد کے سبحہ گر پڑی ہے خودبخود
مائل سجدہ نہیں ہوتی نمازی کی جبیں
یاوہ گوئی ہرزہ گردی اب انھوں کا ہے شعار
جو بہت کم بولتے تھے اور تھے عزّلت گزیں
کس قدر سرزد ہوئے ہیں خلق سے اعمال بد
جس کے باعث ہے خدا اس درجہ سب پر خشمگیں
خاص ہیں جتنے سو اب وے ہیں مقلد عام کے
جائے عبرت ہے یہ تغییرات دورِ آخریں
ذکر یہ جانے دے راسخ کیا حصول اس ذکر سے
خامہ کو اب پھیر سوئے نعت ختم المرسلیں
جونہیں آمادۂ نعت رسول اللہ ہوا
آ گیا خاطر میں میرے مطلع ثانی وہیں

مطلع ثانی

خلقِ عالم کا نہیں تیرے سوا کوئی معیں
رحم کر عالم پہ اب یا رحمۃ اللعالمیں
اے شفیعِ عاصیاں اے بادشاہِ نیم روز
خواجہ ہر دوسرا پشت و پناہِ اہلِ دیں
اے طبیب علّت ارواح اے فخر بشر
باعث ایجاد عالم اے تعیّن اوّلیں
عاصیوں کی کس سے ہوا صلاح باطن تجھ سوا
ذات سے تیری ہی رکھتے ہیں توقع مجرمیں
صالح و طالح کی مرجع ہے تری ذات کریم
موج دریائے کرم ہے گی جبیں کی تیرے چیں

قطعہ

واہ کیا شانِ کریمی ہے کہ جس عاشق کا تو
عذر خواہ جرم ہو اے افتخار اکرمیں
حکم حق پہنچے کہ کر دیں محو سب اعمال زشت
نامۂ اعمال سے اس کے کراماً کاتبیں
یا نبی اللہ یہ تیرا ہی رُتبہ ہے کہ ہے
وقف اُمت کا تری سرتا سر خلد بریں
رتبہ اعلیٰ کا تیرے قصر ایسا ہے رفیع
جس کے آگے عرش کا ہر بام اسفل ہے کہیں
ہے یہی قول انا احمد بلا میم اس پہ دال
ذات تیری ذاتِ حق ہے اس میں کچھ شبہہ نہیں

باعثِ رونق ہوا عالم کا تیرا ہی ظہور
نام تیرا خاتم ہستی کا ہے نقش نگیں
آفرینش حدقۂ بے چشم رہتی تا بہ حشر
گر نہ پیدا کرتا تجھ کو ایزد خلق آفریں
عین رحمت ہے تو اے انسان عین انبیا
خاک در ہے تیری کحل دیدۂ روح الامیں
وہ ترا جسم مقدس تھا خلاصہ روح کا
ہاتھ تھا جبریل کا خرقہ کی تیرے آستیں
ظل چتر ابر سے فرق ہمایوں پر تیرے
یہ ہوا ظاہر کہ ہے تو خسروِ دنیا و دیں
نعل سے نخل زمرد کر دکھایا بار وَر
قدرتیں اس رنگ کس مخلوق کو خالق نے دیں
ہم سخن تجھ سے طعام زہر آلودہ ہوا
کی عیاں تجھ پر خدا نے دشمنیٔ اہل کیں
سنگ سے باہر نکالا مرغ معجز نے ترے
شق کیا تو نے قمر کو روبروئے منکریں
تو وہ ہے اے شہسوار عرصۂ قربِ الٰہ
جس سے راہیں آسماں کی طے بہ آسانی ہوئیں
ہے نشانِ نعل برقِ تیز تگ کا وہ ترے
کہتے ہیں گردوں پہ جس کو ماہِ نو اہلِ زمیں
پہنچا گامِ اوّلیں واں تو نہ پہنچے تاابد
جس جگہ ہرگز نگاہِ چشم عقل دور بیں
عرش کا پایہ کیا معراج نے تیرے بلند
وسعتیں کرسی کی جو تھیں اور افزوں ہو گئیں
اپنے اوپر لامکاں صد عرش بالیدہ ہوا
کیوں نہ ہو بالیدہ شاہا پاوے جب تجھ سا مکیں

طے کیا یہ نُہ طلسمِ بستہ تو نے آن میں
وہ جو سب سے دور تھا سو ہو گیا تجھ سے قریں

قطعہ

تو ہے وہ اُمت نواز اے سرپرست عاصیاں
وہ شفاعت پیشہ ہے تو اے پناہ طالحیں
جس نے وقت بخشش بے انتہائے ایزدی
مغفرت امت کی چاہی ہو کے گریان و حزیں
تو وہ ہے نعمات جنت سب مہیا جس نے کی
اسطے اُمت کی اور اپنے لیے نانِ جویں
بحرِ عصیاں سے لگایا سب گنہ گاروں کو پار
عذر خواہی میں تری آنکھوں سے جوئیں بہہ چلیں
گرچہ عاصی ہوں ولیکن شکر کرتا ہوں کہ میں
سلک اُمّت میں تری ہوں منسلک یا شاہِ دیں
جرم سنگیں کیوں نہ ہوں میرے کہ میں نامہ سیاہ
آہ نامی ہوں سیہ کاری میں مانند نگیں
میں وہ عاصی ہوں کہ رحمت ہے مری حیران کار
کثرت عصیاں سے روئے عذر بھی مجھ کو نہیں
میں وہ عاصی ہوں کہ تن گو کاہ ہے میرا ولے
میرے سر پر ہے گنہ کا ایک کوہ آہنیں

میں وہ عاصی ہوں کہ ہوتی نااُمیدی گر نہ کفر
رحمتِ حق سے مجھے پھر یاس ہوتی بالیقیں
میں وہ عاصی ہوں کہ ہوتا گر نہ تو میرا شفیع
کرتے روزِحشر مجھ کو پیش خیل فاسقیں
ایسا عاصی ہوں پر اُمید شفاعت تجھ سے ہے
سر پرستِ اُمّت ایسا کوئی پیغمبر نہیں
اس تری عاصی نوازی کا بیاں کب مجھ سے ہو
تجھ سوا یہ کس سے ہو اے عذر خواہ مجرمیں
کیا ثنا ہو آگے اب راسخ سے تیری جز درود
طول دینا حرف کا سوئے ادب ہے بعدازیں
جب تلک وابستۂ محور ہے گردش چرخ کی
منجمد ہیں آب میں جب تک کہ اجزائے زمیں
جو ترے برہم زن دیں ہیں وے سرگرداں رہیں
ہوویں آسودہ جو اس دین متیں کے ہیں معیں(۱)

۱۔ دیوانِ راسخ عظیم آبادی، مرتبہ: ڈاکٹر شکیب ایاز، خدابخش لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۶ء، ص:۵۵

غلام ہمدانی مصحفیؔ (۱۷۵۱ء-۱۸۲۴ء)

نعتِ سیّد المرسلینؐ

بعضوں کو گماں ہے یہ کہ ہم اہلِ زباں ہیں
دلّی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں
پھر تس پہ ستم اور یہ دیکھو کہ عروضی
کہتے ہیں سدا آپ کو اور لاف کناں ہیں
سیفی کے رسالے پہ بنا ان کی ہے ساری
سو اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں
اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ
کرتے ہیں گھمنڈ اتنا کہ ہم قافیہ داں ہیں
نہ حرف جو وہ قافیے کے لگتے ہیں گننے
دانا جو انہیں سنتے ہیں یہ کہتے ہیں ہاں ہیں
تعقید سے واقف نہ تنافر سے ہیں آگاہ
نہ حرف یہی قافیے کے ورد زباں ہیں
کرتے ہیں کبھی ذکر وہ ایطائے خفی کا
ایطائے جلی سے کبھی پھر حرف زناں ہیں
اوّل تو ہے کیا شعر میں ان باتوں سے حاصل
بالفرض جو کچھ ہو بھی تو یہ سب پہ عیاں ہیں
حاصل ہے زمانے میں جنہیں نظم طبیعی
نظم ان کی کے اشعار بہ از آبِ رواں ہیں

پرواہ انہیں کب ہے ردیف اور روی کی
کب قافیے کی قید میں آتش نفساں ہیں
مجھ کو بھی عروض آتی ہے نے قافیہ چنداں
اک شعر سے گرویدہ مرے پیر و جواں ہیں
سو کیوں نہ ہو ، ہوں میں بھی تو ایسے کا ثنا خواں
جس کے لیے مخلوق یہ سب کون و مکاں ہیں
ماہِ عرب ، اُمّی لقب ، اعنی کہ محمدؐ
نت جس کی طرف دیدۂ انجم نگراں ہیں
امر اس کے سے ہے کوہ کی پانی پہ عماری
حکم اس کے سے نہ بختی افلاک رواں ہیں
جس دن سے کہ دیکھا ہے وہ قد تیر سا اس کا
اس دن سے فلک صورت آغوش کماں ہیں
ان پتھروں پہ کرتے ہیں ، شہاں اب تئیں سجدے
جن پتھروں پہ اس پاے مبارک کے نشاں ہیں
ہے افسر خورشید فلک خاک در اس کی
جس خاک کے ذرات بہ از جوہر جاں ہیں
آوازۂ عدل اس کا گیا جب سے بہ اطراف
سکانِ زمیں تب سے پُر از امن و اماں ہیں
یاں تک کہ اگر دیکھئے اب گرد رمے کے
خود گرگ لیے لکڑی کھڑے جیسے شباں ہیں
اُن بندوں پہ بھیجے ہے خدا تحفۂ صلواۃ
قبر اس کی پہ اخلاص سے جو فاتحہ خواں ہیں
کرتے ہیں بہم نام محمد ہی کی تسبیح
ہر صبح جو مرغانِ چمن گرم فغاں ہیں

شوق اس کے سے گل کر کے ہوئے سنگ بھی پانی
یاں تک کہ ہر اک کوہ سے دریا ہی رواں ہیں
گر چشمہ فیض اس کا نہ جاری ہو تو یہ جان
دریا سبھی جوں ماہی بے آب تپاں ہیں
خسرو نے اگر چاک کیا نامے کو اس کے
تو خسروی کے اس کے بھی آثار کہاں ہیں
یہ محض غلط فہمی تھی جو زعم میں اپنے
سمجھا کہ اولوالعزم سلاطین کیاں ہیں
ذہن اس کے میں یہ بات نہ آئی کہ فرشتے
جوں برق دماں صاحبِ شمشیر و سناں ہیں
اور خاص وہ جو رکھتے ہیں دعوائے شجاعت
دن جنگ کے آشفتہ تر از شیر ژیاں ہیں
ہے ایک تو شمشیر غلاف ان کی برہنہ
پھر تس پہ وہ ننگی کیے شمشیر زباں ہیں
ہنگام رجز خوانی جو کوئی انہیں دیکھے
سمجھے یہ فصاحت سے کہ سحبانِ زماں ہیں
سرخیل انہوں کا جو انہوں میں ہے محمدؐ
اس قوتِ بازو پہ یہ سب سجدے میں واں ہیں
پیغمبری پر اس کی ہے اقرار سبھی کو
ہر چند کہ در کشمکشِ سود و زیاں ہیں
وہ تاجورِ خطبۂ لولاک ہے بے شک
بیعت کے لیے اس کی طرف نامے رواں ہیں
شور اس کی شجاعت کا زمانے میں پڑا ہے
خائف دمِ تیغ اس کی سے شاہانِ جہاں ہیں

جو خصم ہیں ، بادِ دمِ شمشیر سے اس کی
پیدا ہے کہ شوریدہ تر از برگ خزاں ہیں
تلواریں جو انصار کے ہاتھوں میں ہیں ننگی
دن جنگ کے دیکھو تو بہ از برقِ دماں ہیں
گستردہ ہے یہ نطع شب و روز اسی سے
جس نطع کے قرصِ مہ و خورشید دو ناں ہیں
کیا اس کی کہوں میں شبِ معراج کا عالم
اس شب کے جو منکر ہیں وہ آویں نہ کہاں ہیں
تا ان کو دکھاؤں میں کہ افلاک پہ مُرسل
صف باندھے جلو اس کے میں کس طرح رواں ہیں
ہے محو تماشے کا ز بس عالمِ علوی
انجم نہیں یہ دیدۂ نظارگیاں ہیں
مرغانِ اولی الاجنحہٗ عرشِ معلیٰ
سیر اس کی سے افتادۂ اوجِ طیراں ہیں
کیا ڈر ہے انہیں جن کے جگر سرد ہیں ایسے
دوزخ کے دمِ گرم اگر شعلہ فشاں ہیں
قائل ہیں بہ عجز اس کے یہود اور نصاریٰ
ادیان و ملل جتنے ہیں منسوخ یہاں ہیں
بت سازوں نے بھی بت شکنی دیکھی ہے اس کی
پر حیف وہ اس پر بھی پرستارِ بتاں ہیں
اس بات سے واقف نہیں کیا قدر بتوں کی
یاں سیکڑوں آثارِ خدائی کے عیاں ہیں
نام اس کے کو کرتے ہیں سدا دور سے سجدے
آفاق میں جو خسروِ آفاق ستاں ہیں

اوصاف کمال اس کے میں حیراں ہے مری عقل
از بس کہ وہ پر دور تر از وہم و گماں ہیں
ہشیاری سے رکھ پاؤں دلا مدح میں اس کی
وہ بحر ہے یہ جس میں ملک غوطہ زناں ہیں
اے مصحفی ظاہر ہوئے جو معجزے اس سے
وہ معجزے کب در خور تقریر و بیاں ہیں
اب آ نہ مری جان تو سرگرمِ دُعا ہو
نم دیدہ تہِ بارِ قلم تیرے بناں ہیں
یا رب ہے فلک جب تئیں تاروں سے چراغاں
اور اہلِ زمیں دور سے نظارہ کناں ہیں
دن حشر کے روزی ہو انہیں سایۂ طوبیٰ
جو سایۂ اعلامِ محمدؐ میں رواں ہیں
اور جن کو ہے شق القمر اس کے میں تامل
جوں ماہ ہو شق سینہ انہوں کا وہ جہاں ہیں(۱)

۱۔ کلیاتِ مصحفی، جلد نہم، مرتبہ: ڈاکٹر نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۶

نعتِ سیّد المرسلینؐ

جو ہاتھ آتا مرے یکسر گریباں ، آستیں ، دامن
تو تھا سو چاک کے در خور گریباں ، آستیں ، دامن

یہ دیوانوں کی مجلس ہے تو اُٹھ جایاں سے اے ناصح
کہ یاں چنگل میں ہیں اکثر گریباں ، آستیں ، دامن

جنوں تو دیکھ آ کر اپنے ہاتھوں دھجیاں کر کے
دیا رکھ میں نے آتش پر گریباں ، آستیں ، دامن

گئے کھا زخم اس کے اس گلی سے سیکڑوں لیکن
ہوا یوں خوں میں کس کا تر گریباں ، آستیں ، دامن

ترے شوریدہ سر جو ہیں انہوں نے شکل دریا کی
کیا ہے چاک سر تا سر گریباں ، آستیں ، دامن

مرے اشکوں کے موتی ٹانگ ان پر میں ترے صدقے
کہ ہو تکموں سے زیب آور گریباں ، آستیں ، دامن

صفا سینے کی یا ساعد کی یا ساقِ بلوریں کی
لکھوں ہے جس سے پُر خوشتر گریباں ، آستیں ، دامن

اٹھاوے ہے ، چڑھاوے ہے ، سیے ہے اور دکھاوے ہے
ہمیشہ وہ بت کافر گریباں ، آستیں ، دامن

کرو گے کیا جو میں کل پھینک دوں گا دھجیاں کر کے
بہ پیشِ داورِ محشر گریباں ، آستیں ، دامن

زبس میں نوچ نوچ ان کو کیا ہے تار تار اب کے
بنا ہے صورتِ مسطر گریباں ، آستیں ، دامن

یہی جامہ بچھا کر اپنا سو رہتے ہیں ہم شب کو
ہے اک مدت سے یاں بستر گریباں ، آستیں ، دامن
خدا جانے کدھر کو اُٹھ گئے صحرا سے دیوانے
جو لڑکوں کے ہیں بن پتھر گریباں ، آستیں ، دامن
ہم اس عطار والے پر لگا بیٹھے ہیں جی جامہ
گروہے یاں مثلث پر گریباں ، آستیں ، دامن
وہ دیوانہ ہوں میں جس نے کیا ہے ملکِ مجنوں میں
سرِ ہر خار کا افسر گریباں ، آستیں ، دامن
میں یاں تک مارے بیتابی کے لوٹا ہوں مغیلاں پر
کہ ہے کانٹوں سے پُر نشتر گریباں ، آستیں ، دامن
سر و پا و کمر لپٹے ہیں زنّارِ محبت میں
یہی اپنا تو ہیں لنگر گریباں ، آستیں ، دامن
جدائی میں تری وہ ہو رہے تھے بس کہ سو ٹکڑے
کیے میں وصل مر مر کر گریباں ، آستیں ، دامن
وہ چنواتا ہے جب جامہ بنے ہے حق میں عاشق کے
چھری تلوار اور خنجر گریباں ، آستیں ، دامن
اگر پتھر تلے ہوتا نہ میرا ہاتھ ، یاروں کو
دکھاتا پرزے پرزے کر گریباں ، آستیں ، دامن
زبس زخم آئے ہیں گہرے مرے اس ناتواں تن پر
بنا ہے شکلِ چاکِ در گریباں ، آستیں ، دامن
لیے بارِ گنہ از بس کہ میں دنیا سے جاتا ہوں
کفن کا میرے ہے بجر گریباں ، آستیں ، دامن

نہ پہنے خرقہ گر زاہد کرے کیا اس کو مشکل ہے
پڑا ہے آن کر سر پر گریباں ، آستیں ، دامن
مرے ہاتھوں سے فریادی ہیں تینوں کیا عجب اس کا
لکھیں دعوے کا گر محضر گریباں ، آستیں ، دامن
کیا ہے تیر باراں کس کی مژگاں نے مجھے ، جب سے
بنا ہے صورت مجمر گریباں ، آستیں ، دامن
زبس جم جم گئے داغ ان پہ ہم خوں رونے والوں کے
ہوئے طاؤس کے سے پر گریباں ، آستیں ، دامن
خفا ہوں اک تو نام و ننگ کی میں تنگ گیری سے
گلے کا ہار ہے تس پر گریباں ، آستیں ، دامن
ابھی تو خوں کو میرے لذت آغوش لینے دے
ذرا دھلوائیو رہ کر گریباں ، آستیں ، دامن
کبھی کانٹوں کے شاکی ہو کبھی ہاتھوں کی کاوش سے
سیا کرتے ہیں ہم دن بھر گریباں ، آستیں ، دامن
بزرگی جبّہ پوشی پر نہیں موقوف عالم میں
رکھیں ہیں یوں تو لاکھوں خر گریباں ، آستیں ، دامن
اگر پرزوں کو ان کے جمع کر کے دیکھیے تو ہے
پریشانی کا اک دفتر گریباں ، آستیں ، دامن
جلا کر زخم دل میں اپنے اس کی خاک بھرنے کو
کیا ہے ہم نے خاکستر گریباں ، آستیں ، دامن
نہ ہو آوارہ وہ کیونکر کہ طفل اشک کا میرے
بہ سوے خاک ہے رہبر گریباں ، آستیں ، دامن

کیا ہے ذرہ ذرہ ضد کے مارے بس کہ میں ان کو
بنے ہین تیغ کے جوہر گریباں ، آستیں ، دامن
کہاں اب سام اور رستم چھڑا سکتا نہیں ہر گز
اجل سے کوئی زور آور گریباں ، آستیں ، دامن
نہیں اتنی بھی اب طاقت کہ عریانی کے جامے کا
اٹھاوے یہ تن لاغر گریباں ، آستیں ، دامن
تری تلوار کے زخمی کو سر تا پا عروسی ہے
رکھے ہے خون کا زیور گریباں ، آستیں ، دامن
ہمین آخر تو پھر اک پل میں ان کو چاک کرنا تھا
بہت پچھتائے ہم سی کر گریباں ، آستیں ، دامن
جنوں کے ہاتھ سے اس میں دیے ہیں چاک میں یاں تک
کہ ہے ہر چاک کا ششدر گریباں ، آستیں ، دامن
رفو ناصح سے کب ہو چاک پیراہن کا عاشق کے
مگر سلوائیں آں سرور گریباں ، آستیں ، دامن
محمد باعث ایجادِ عالم جس کے جامے کا
سیے ادریس پیغمبر گریباں ، آستیں ، دامن
زہے شق القمر کا معجزہ جس کے اشارے سے
ہوا چاہے مہ انور گریباں ، آستیں ، دامن
اگر اس معجزے کو شرح دے کر میں لگوں لکھنے
قلم کا چاک ہو یکسر گریباں ، آستیں ، دامن
نہ دیتا وہ اگر خلعت زمیں کو مہربانی کا
نہ پاتے کوہ و بحر و بر گریباں ، آستیں ، دامن

سمائے ہیں موالید ثلاثہ اس میں از بس ہے
قبا کا اس کا پہناور گریباں ، آستیں ، دامن
جو رووے شوق میں اس کے عجب کیا ہے کہ ہو اس کا
بہ رنگ شمع پر گوہر گریباں ، آستیں ، دامن
نہ دیتا گر لباس ظاہری وہ جسم انساں کو
نہ پاتے خاک کے پیکر گریباں ، آستیں ، دامن
نسیم لطف گر اس کی چلے اس پر تو گل ہو کر
نکالے غنچہ اخگر گریباں ، آستیں ، دامن
اگر مہتاب سے مانگے وہ جامہ ووں ہی بن بیونتے
بنے مہتاب کی چادر گریباں ، آستیں ، دامن
جہاں ابر سخاوت اس کا برسا واں سے موتی ہی
لے آئے لنج و شل بھر بھر گریباں ، آستیں ، دامن
جہاں میں پیشتر خلقت سے اس کی جو سلاتے تھے
فلاطوں اور اسکندر گریباں ، آستیں ، دامن
انہوں کا مدعا یہ تھا کہ جب ہو خلقِ پیغمبر
کریں جود اس کی سے پُر زر گریباں ، آستیں ، دامن
بدن سے اس کے گر جامہ جدا ہووے تو پھر اس شب
کرے سو ٹکڑے ہر اختر گریباں ، آستیں ، دامن
اگر درکار ہو اس کو قبا تو بن کہے اس کے
بنے جبریل کا شہپر گریباں ، آستیں ، دامن
سیا ہے قدسیوں نے نور کے حلّوں کو لے لے کر
برائے آں تنِ اطہر گریباں ، آستیں ، دامن

اگر تن پر نہ اس کے راست ہوتا خلعت ہستی
نہ ہوتا اس کا زیب آور گریباں ، آستیں ، دامن
جویاں آل اس کی پر روتا ہے واں اس کا دھلا دیں گے
بہ آب چشمہ کوثر گریباں ، آستیں ، دامن
مے عصیاں سے میں آلودہ ہوں یاں تک کہ ہے میرا
صراحی و خُم و ساغر گریباں ، آستیں ، دامن
تمہارا ابرِ رحمت یا محمدؐ مجھ پہ گر برسے
تو ہو پاکیزہ و اطہر گریباں ، آستیں ، دامن
وگرنہ مصحفی تو وہ سیہ رو ہے کہ کالا ہو
بدن سے جس کے چھو جا کر گریباں ، آستیں ، دامن
زمیں مشکل ہے یہ آتا ہے یوں جی میں کہ آ جاؤں
بہ سوے خاتمہ تہ کر گریباں ، آستیں ، دامن
دُعا میری سو ہے یہ جب تلک ہستی کے جامے کا
سیے خیاط بے یاور گریباں ، آستیں ، دامن
الٰہی وہ جو منکر ہیں شب معراج کے تیری
نہ ہو وصل ان کا ہمدیگر گریباں ، آستیں ، دامن
سوا ان کے جو تیرے ذیل میں ہیں جوں گل نرگس
رہے ان کا سدا پر زر گریباں ، آستیں ، دامن(۱)

۱۔ کلیاتِ مصحفی، جلد نہم، ص:۳۹

نعتِ سیّد المرسلینؐ

حنا سے ہے یہ تری سرخ اے نگار انگشت
کہ ہو نہ پنجۂ مرجاں کی زینہار انگشت

ضعیف اتنا ہوا ہوں کہ میرے ہاتھوں میں
تہی ہیں پنجۂ طاقت سے بہلہ دار انگشت

ہلال و بدر ہوں یکجا عرق فشانی کو
رکھے جبیں پہ جو تو کر کے تابدار انگشت

فراقِ مُو کمراں سے میں یہ ہوا باریک
کہ ہو گئیں مری سوزن صفت نزار انگشت

ز بس کہ زشت ہے دُنیا میں ہاتھ پھیلانا
رکھے ہے سمٹی ہوئی اپنی پشت خار انگشت

وہ جب لگائے ہے فندق تو دیکھ دیکھ مجھے
رکھے ہے منہ میں تاسف کی روزگار انگشت

شمار داغ سے کب اتنی مجھ کو فرصت ہے
کہ رکھ سکوں بہ سر چشم اشکبار انگشت

کشیدہ وضع نہ ہمسائے کا ہو منت کش
حنائے گل سے نگاریں کرے نہ خار انگشت

رکھی ہے آگ بزرگوں کی میں چلم پہ بہت
عجب نہیں جو مری ہوویں داغدار انگشت

نہ لکھ نہ پڑھ کہ زمانہ ہے عیب جوئی میں
رکھے ہے حرف پہ یاں سب کے روزگار انگشت

کسی کی عقدہ کشائی نہ ہو سکے تو کیا
برنگ شانہ ہوئیں گو تری ہزار انگشت
گیا جو کام سے اس کا نہ کر تفحصِ حال
رکھے نہ نبض پہ مردے کی ہوشیار انگشت
نہ آگے موذی کے کچھ پڑھ کہ عیب جوئی کو
وہ بن رہا ہے سراپا بہ رنگ مار انگشت
سقیم عشق کی گر نبض مس کرے تو دونہی
ہوں مثل برق مسیحا کی بیقرار انگشت
اگر رکھوں لب آتش فشاں پہ میں اپنے
تو پھلجھڑی کی طرح ہووے شعلہ بار انگشت
وہ گن رہا ہے وہاں بال اپنی زلفوں کے
کرے ہے تار گریباں کا یاں شمار انگشت
اگر تو خواب میں بے پردہ اس کے آئے صنم
تراشے یوسف مصری ترنج وار انگشت
کروں ہوں قصد جو میں اس کے پاس جانے کا
ہلائے ہے وہ اشارے سے بار بار انگشت
تو روئے دست نہ کھا صید پیشگاں کابہ لحم
زغن کو کرتی ہے صیاد کی شکار انگشت
نہ فکر قتل مرا کر کہ جوں محی الدین
میں ایک کاٹوں تو ہوں سیکڑوں فگار انگشت
ہو اس کے بام سے لغزش نہ کیونکہ مجھ کو کہ واں
ہوئیں نہ گوہ کے پنجوں کی استوار انگشت

یہ کس کی خاک پہ تونے پڑھی تھی ’’انزلنا‘‘
جو آج ہے تری اے شوخ پر غبار انگشت
کبھی نکالے ہے بانبی سے جیسے ارقم سر
ہے چاک پردہ سے یوں اس کی آشکار انگشت
جو راہِ حق میں کوئی کشتہ ہووے جوں حلاج
اٹھاوے کیوں نہ زیارت کو اس کی دار انگشت
بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اس کے
نکل گئی سپر مہ سے جس کی پار انگشت
محمد عربی معجزوں کا جس کے کبھی
نہ کر سکے فلک پیر کی شمار انگشت
چمن میں اس کی رسالت کا جب کچھ آئے ہے ذکر
عَلَم کرے ہے شہادت کی شاخسار انگشت
وظیفہ جس کا پڑھے ہے یہ دانہ شبنم
دُعا میں جس کی ہے کھولے ہوئے چنار انگشت
اگر ہو مہرۂ گہوارہ سنگ فرش اس کا
نہ چوسے اپنی کبھی طفل شیر خوار انگشت
اٹھا دے گر کف افسوس مَلنے کی وہ رسم
نہ ہووے پھر کبھی انگشت سے دوچار انگشت
کرے ہے دست قضا جب کسی کا عقدہ وا
اسی کے ہاتھ سے مانگے ہے مستعار انگشت
دو چار دست زد اس کے جو ہووے بعد از مرگ
رکھے نہ اس کے کوئی برسرِ مزار انگشت

کرے جو وصف وہ اس تاج الانبیاء کی رقم
قلم کی جوں نے نرگس ہو تاجدار انگشت
جو دست و تیغ کو اس کی ہو میل سنگ بری
رکھے قبول کی آنکھوں پہ آبشار انگشت
برائے قتل عدو حرب گاہ شیراں میں
جب اس کی تیغ کے قبضے کو دیں فشار انگشت
اور اس کے سامنے افراسیاب روئیں تن
سپر کی گدی میں کر جست اپنی چار انگشت
مقابل آوے تو لگتے ہی کر دے صاف قلم
سپر کو کاٹ کے وہ تیغ آبدار انگشت
جو اس پہ کر کے وہ معجز سے حرف اقتل دم
پھراوے اپنی ذرا وقت کارزار انگشت
ہزار کاسہ سر صاف ووں ہی اڑ جاویں
کرے اشارے میں تیغ دو سر کا کار انگشت
جو رکھ کے وہ لب سوفار زہ پہ روز نبرد
کشش میں اپنی بنا لیوے غنچہ وار انگشت
نشانہ ہووے جو کف الخضیب کی خنصر
کرے سب اس کی وہ ابہام تک فگار انگشت
سمندِ تیز رَو اپنے کو وہ اگر سرپٹ
فضائے دہر میں پھینکے عدو کے مار انگشت
وہ اتنا جلد پھرے کر کے طے اسے کہ ہنوز
شمار گام نہ پہنچا ہو تا بہ چار انگشت

زمین خشک پہ بالفرض اگر بہ موسم دے
ہو اس کے دست سخاوت کی دانہ کار انگشت
اس ایک دانے میں پھوٹیں جو سینکڑوں سوئیاں
بنیں وہ عقدہ کشائی کو خود ہزار انگشت
برنگ نخل املتاس پھر بڑھے تو وہ نخل
درم کی جس کی ہوں پوریں وہ لاوے بار انگشت
بیان مدح شجاعت میں تیرے اب تک تو
نے قلم سے نہیں میری شرمسار انگشت
رقم کروں جو میں پنجے کی تیرے ہیبت کو
تو کیا عجب کہ ہوں ضیغم کی رعشہ دار انگشت
خمیر سا وہ نکل جائے ان کی فرجہ سے
جو دیویں گاوِ فلک کو تری فشار انگشت
تو مصحفی نہیں عابد مسبعات العشر
پڑھا نہ کر کہ بنیں تیری مشت وار انگشت
ملے جو شعر سے فرصت تجھے تو بعد نماز
اٹھا کے دست دعا کھول چوں چنار انگشت
یہ عرض ہے کہ شفیعِ اُمم بہ روز جزا
نہ نامہ خوانی میں ہوں میری رعشہ دار انگشت
جو دوست ہیں وہ رہیں سایۂ یداللہ میں
تنِ عدو پہ کرے کارِ ذوالفقار انگشت(۱)

۱۔ کلیاتِ مصحفی، جلد نہم، ص:۴۲

نعتِ سیّدالمرسلینؐ

پرکار وار دَور کیے اس نے یوں ہزار
اپنی مراد پر نہ پھرا چرخ ہرزہ کار
زینت سے کام رکھتی ہے کب ہمت بلند
محتاج کب حنا کا ہوا پنجہ چنار
ساعد جو بار زر سے جھکے جانب زمیں
بھوکے کے واسطے ہے وہی شاخ میوہ دار
غافل تو جا کے گور غریباں کی سیر کر
ٹوٹی ہوئی پڑی ہیں جہاں سیکڑوں مزار
اس واسطے کہ سمجھے تو اپنے مآل کو
ہوں استخواں سے مردوں کے آنکھیں تری دوچار
فکر معاش سے تو کرے اپنا دل تہی
رُخصت طلب ہو تجھ سے تمنائے روزگار
تیری سی لاکھ شکل ہیں بر صفحۂ زمیں
کچھ اس میں بے نوا ہیں تو کچھ اس میں مالدار
ہوتی بسر ہے سب کی بہ یک نیم پارہ ناں
حرص و ہوا کو چاہیے تو دے جتنا اختیار
مجبورر اپنا اپنی ہی فہمید سے ہے تو
گر چشم عقل ہووے تری ٹک بھی سرمہ دار
سب بعد مرگ کی سی کھلے تجھ پہ ماہیت
واعظ کے قول پر نہ رکھے چشم انتظار

قرآن سمجھ تو اپنا شب تار میں چراغ
ہمدم سمجھ تو اپنی یہ چشم ستارہ بار
کچھ غم نہیں جو نامۂ اعمال ہے سیاہ
دھووے گا اس کو ابرِ کرم اس کا ایک بار
یعنی محمدِ عربی شمس والضحیٰ
واللیل جس کے گیسوؤں پہ ہو گئی نثار
کیا اس کے معجزوں کا بیاں مجھ سے ہو سکے
منہ میں مرے ہے ایک زباں معجزے ہزار
اصحاب اس کے چار ستوں قصر دیں کے ہیں
بارہ دری ہے جن سے امامت کی استوار
نے اہلِ رفض سے ہے مجھے رفض اس قدر
نے شیعیانِ دیں سے میں رکھتا ہوں ننگ و عار
آزاد ہوں مناظرۂ روز و شب سے میں
ہوں سب کا دوست رکھتا ہوں اک سب میں اعتبار
گر سنّی کوئی سمجھے مجھے اس کا غم نہیں
کس واسطے کہ سنّی تھے میرے بزرگوار
میں شیعہ اک ہوا تو ہوئی کیا مفاخرت
ہونا پڑے ہے یوں بھی تو مطعون روزگار
القصہ اس سے کام ہے کیا ، ہوں محمدی
آگے جو کچھ کہ چاہے کرے لطف کردگار
خواہی مجھے روانۂ دوزخ کرے بہ قہر
خواہی ارم کو بھیجے بصد عزّت و وقار
آیا نہ تھا میں آپ سے اس کار گاہ میں
نے مجھ کو یاں سے جانے میں کچھ اپنا اختیار

مالک ہے وہ ، قدیر ہے وہ ، چاہے سو کرے
موت و حیات میں ہوں اسی سے امیدوار
رمح نبی کی وصف کو چاہے ہے اب قلم
ہو ہو گئی ہے درع فلک جس سے رخنہ دار
آئینہ پوش کی وہ اگر ناف پر لگے
نوک اس کی جا کے پشت کے فلکے سے نکلے پار
برش یہ تیغ میں ہے کہ گر بختیِ فلک
چو رنگ ہووے اس کا زمیں سے کرے گزار
حفظ خدا سپر تھا وہاں کچھ سپر نہ تھی
کرتا بیان کس کا یہ کلک رقم شعار
ناقے کی وصف اس کے مجھے فرض عین ہے
یعنی کبھی ہوا جو وہ ماہ عرب سوار
تو دشمنوں کی آنکھ میں وہ یوں نظر پڑا
ہے آفتاب حشر سر نیزہ آشکار
وہ روز جنگ ان کو شب تار ہو گیا
گھبرا کے کر گئے سر میدان سے فرار
کن کن لڑائیوں کا کرے ذکرِ مصحفی
اس پاس خامہ کوتہ و کاغذ ہے فرد وار
جو ہو گئے شکار انہیں بحری شکار جان
ہر چند تھے تو قافیے اس بحر کے ہزار
آ کے دماغ میں نہ رہے تا بہ فکر تیز
اک جلسے میں دیا میں قصیدے کو اقتصار[1]

۱۔ کلیاتِ مصحفی، جلد نہم، ص:۴۵

شہزادہ سلیمان شکوہ (۱۷۵۵ء-۱۸۳۸ء)

قصیدہ در حمد و نعت

سب کا مالک وہ سب کا صاحب ہے — جس کے قبضے میں روح و قالب ہے
کیسا ہو گا وہ صاحبِ خانہ — جس کے در کا مسیح حاجب ہے
قصر فیروزہ فام کے اس کے — خاک روبوں میں ذو ذوانب ہے
سب میں ہے شکل جاں نہان و عیاں — نہ تو حاضر ہے اور نہ غائب ہے
اشک حیرت ملک کے ہیں جس پر — یہاں خیالِ شہابِ ثاقب ہے
اس کی وحدت کے جام کا ساقی — کرہ خاک درد راسب ہے
یہ جھمکڑا ہے نور کا اس کے — ورنہ بدر اک زجاج زایب ہے
ذکر تیرا سدا بہ بہ بانگِ بلند — کرتا ناقوس پیچ راہب ہے
ہے قَدَح کش جو راح وحدت کا — وہ مئے کثرتی سے تائب ہے
رزق ہر ذی حیات کا مقسوم — دہر میں در خورِ مناصب ہے
اس کو کیا ہے علوم سے سروکار — وہ جو اسما کا تیرے کاسب ہے
اَحَدِیت کا تیری جو ہے شریک — وہ لعیں مرتد اور کاذب ہے
تیری کیا ذاتِ پاک ہے جس کے — دیکھنے کا جہان راغب ہے
رتبہ تجھ در کے خاکساروں کا — شاہی و ماہی و مراتب ہے
واقعی ممکنات کو شب و روز — ہر گھڑی فرض شکر واجب ہے
وَحدہٗ لاشریک لہ کی قسم — منشی نور اس کا کاتب ہے
ساحتِ نعت میں کمیت قلم — تگ و دو میں ہر ایک جانب ہے
دوست حق کا محمدؐ عربی — خاصہ محبوب اور مصاحب ہے
اس کی اور اس کی آل کی سب پر — دوستی فرض اور واجب ہے
نقشِ نعلین سے ترے شاہا! — ماہِ نو روشنی کا طالب ہے

رات تجھ پر نثار ہونے کو چرخ پر مجمع کواکب ہے
وہ ترا دین یارَسُولَ اللہ! ناسخ جملۂ مذاہب ہے
جس بشر نے رجوع کی تجھ سے اس کی الحق کہ رائے صائب ہے
ہیں جو بارہ امام انھیں میں سے تیرا شاہا ہر ایک نائب ہے

قطعہ

ہے جو علم الٰہیات ترا اس کے آگے یہ کیا بلاطب ہے
عمر اس نحو جس نے کی ہی صرف تجھ سے ہر دم وہی مخاطب ہے
تیری آنکھوں کے آگے ہے حاضر وہ جو دونوں جہاں میں غایب ہے
بادشاہا! تسلطِ اعدا سخت از زمرۂ مصائب ہے
ان لعینوں کا حکم دنیا میں لے مشارق سے تا مغارب ہے
دفع کر ان کو از برائے خدا ان کی غارت ہی اب مناسب ہے
ہے شکست اس کو دین و دنیا میں تیرے نائب سے جو محارب ہے
مطلعِ ثانی اور پڑھتا ہوں جس کا پڑھنا یہیں مناسب ہے

مطلع ثانی

وہ جو دوش نبیؐ کا راکب ہے شیر حق مظہر العجائب ہے
ہے وہی محرم رموزِ اللہ جس کے پڑھتا یہ دل مناقب ہے
کر کے بیعت علیؑ سے جو کہ پھرا وہ منافق ہے سخت غاصب ہے
جس کو کہتے ہیں ساقی کوثر مئے عرفان کا وہ شارب ہے
جان بخشا نُصیر کو جس نے واہ کیا مظہر العجائب ہے
جنگ خندق میں ذوالفقار سے وہ عمر بن عبدود کا ضارب ہے
یا علیؑ! احتساب کے دن کا تو ہی حاکم تو ہی محاسب ہے
علم حق کی کتاب کا حقّا حرف حرفاً تو ہی معارب ہے

دین تیرے سے جو کہ ہے خارج ۔۔۔ بندگی سے خدا کی ہارب ہے
بانیٔ ظلم وجور تجھ گھر کا ۔۔۔ حائط دیں کا درد ناقب ہے
نام کا تیرے درد یا مولا! ۔۔۔ سب کا حلال فی النوائب ہے
جلد بَر لاؤ جو سلیماں کا ۔۔۔ یا علی ارشد مطالب ہے
بخشو تاج شہی تمھارے تو ۔۔۔ یہ غلام اے نبیؐ کے نائب ہے
پھیر دو جلد اس کے سر پر چتر ۔۔۔ ہفت اقلیم کا یہ طالب ہے
روئے انور پو ہے یہ روشن سب ۔۔۔ ہے جو اس کے سوا سو غاصب ہے

حق یہ اس کا ہے یا شہ مرداں
اسی کے واسطے مناسب ہے [1]

۱۔ کلیاتِ سلیمان شکوہ، مرتبہ: ڈاکٹر شاہ عبد السلام، نامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۳۷

مثنویات

جعفر زٹلی (۱۶۵۸-۱۷۱۳ء)

نعت و منقبت

محمد پار اُتارن ہار سب کا
محمد سرور و سالار سب کا

فدائے نام پاک چار یارم
بہ جان و دل غلامِ چار یارم

علی صاحبِ ولایت پیر میرا
محمدؐ سے ملا وے اب سویرا

چو خواہی بے مگس خوردن شکر بھات
روشن چراغ نفی و اثبات

مرا عشق علی ہر دم بہ جان است
چو بود گل نہاں است و عیاں است

بدانش قدر و قیمت حرف کُن را
بجز جعفرؔ کہ داند ایں سخن را

بہ جہل مدعی کارے نہ دارم
بجز نام علی یارے نہ دارم

بیا جعفر مکن اظہار اسرار
بہ دل حفظِ مراتب را نگہ دار(۱)

۱۔ زٹل نامہ (کلیاتِ جعفر)، مرتبہ: رشید حسن خان، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص:۱۲۱

قاضی محمود بحریؒ (۱۶۸۴-۱۷۲۴ء)

در نعت خواجہ کائنات محمد الرسول اللہ ﷺ

اٹھ اے قلم اس گھڑی نہ گھر جائیں   ٹک نعت نگر کا سیر کر آئیں
بن نعت کھاں کھاں یوناداں   ناداں جو نھیں تو کیئو ھے شاداں
یعنی منگے بولنے کوں یو بھید   کرنے کو قلم میں قید خورشید
کیوں چنیوٹی سات چرخ چڑ جائے   یا پار سمد میں ساق پڑ جائے
اب رہ نکو معذرت کی رہ میں   آ نعت کے نات کی پنہ میں
آپس کے تمام گن سگل گت   کثرت میں دکھاوتا ہے وحدت
ہر چیز جو وحدتی اتھا خاص   کثرت سوں بندیا او آخر اخلاص
ھر حرف جو وقت آپنا پائے   مکتب میں مجاز کے نکل آئے
او عین جو ابجد اسکوں فرزند   سیوٹ کو اپس دکھاونے چھند
تختی پہ شھادتی ہو اظہار   اسلام کے علم کو کیا بار
شمشیر لے شرع کا اپس ہت   یکبار کیا جگت کوں دعوت
یعنی اور شہنشہ انبیا کا   پیارا نپٹ آپنے پیا کا
جن تاج تمام مقبلاں کوں   سردار سگل چلے دلان کوں
جس نور تے یو نگار سارا   پکڑیا ہے وجود یو پسارا

جن جھاڑ کوں دو جگت کے برھے ‌ ‌ کو نین کے نین کوں نظر ھے
جس نام ھے نامی آد احمد ‌ ‌ بو القاسم مصطفیٰ محمدؐ
یک نور تے جس ہزار انوار ‌ ‌ یک سورتے جس کرُوڑ جھلکار
جس دوستی دو جگت جگیا ھے ‌ ‌ زنجیر ہو یک سوں یک لگیا ہے
جبریل لے وحی جس اپر آیا ‌ ‌ اس بھانت نہ اور کس اپر آیا
رک مکت مکٹ اپس کے سر پر ‌ ‌ اقلیم اپر بقا کے قیصر
یک معجزی جس کی سومزا ہے ‌ ‌ ھر یک اور مزا بی معجزہ ہے
چادر کو چندر کے پھاڑ لیتا ‌ ‌ پیوند پیغمبری کو دیتا
دھرتی یہ ھے اب تلک دکہ اے یار ‌ ‌ ھور وو نچہ مکھی نپٹ ھے بیمار
سو کیا کہ او چھانوں سوں اتھی دور ‌ ‌ یو فیض سون اس بدن کے مہجور
ھے گرچہ یو دو اسی کے نوروں ‌ ‌ اس نور کے نامور نلھو روں
جن دین کے دن کوں چونکہ دنگر ‌ ‌ مشہور کیا جگت میں یکسر
کٹی کفر کی نس نکل جہاں سوں ‌ ‌ تھی گرچہ کڑی ہو گمرھاں سوں
اسلام اجت کیا ھو بالا ‌ ‌ اندکار کوں کفر کے اجالا
میثاق تے حشر لک یھی دین ‌ ‌ دایم رکھے حق یو دین آمین(۱)

۱۔ مثنوی من لگن، مرتبہ: محمد سخاوت مرزا، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۵۵ء، ص:۸

شاہ تراب چشتی (پ:۱۶۹۴-۱۶۹۳ء)

گُل اوّل

بنام آنکہ صاحبِ خانۂ دل
ز شمع دل کیا روشن ہے محفل

بہارِ گلشن ارواح و اجسام
نوائے بلبلِ آغاز و انجام

نہ آخر اوس کی نا ابتدا ہے
نہ اوس کوں منتھا نہ ابتدا ہے

کیا پیدا اُو اوّل ہور آخر
کیا پیدا او باطن ہو ظاہر

ظہورِ کاف و نوں ہے ہر دو عالم
یکے نالم مواخر یکے مقدم

مقام وحدیت آخر واحدیت
ظہو عالم ارباب کثرت

نزولی و عروجی قاب قوسین
خط وحدت کیا برزخ ہے مابین

احد ایک میم سوں احمد کلایا
وہی احمد محمد نام پایا

اگر او میم کاپردا اٹھاوے
احد احمد منے نا کچھ فرق پاوے

احد احمد میں ہو کر میم گھنگھٹ
کیا و عین گنج راز پر گھٹ

ہو نقاشِ ازل پروردگارا
عیاں ثابت سوں سب سنوارا

مصور کوں تو پیدا کر کے رحمان
سکھایا کردۂ تصویر انساں

او کھینچا نقشۂ تصویرِ محبوب
اپے طالب ہو کیا او سکوں مطلوب

او سی نقشے سوں کھینچا نقش آدم
سمج اشکال سارے نقلِ آدم

ہے آدم نور احمد میر عالم
نہیں منفک ہے عالم ہور آدم

نخست عالم تھا اور ذاتِ باری
اتا عالم میں حق ہے ساری

احد ہے لاتعین ذات مطلق
وہی واجب وجود ہے خاص برحق

تعین اوّلیں یعنی وحدت
محمد مصطفیٰ کی او حقیقت

تعین ثانی یعنی عین واحد
ظہور احدیت پر ہے شاہد

حقیقت ہائے انسانی ہے صادق
کہیں سب اس کے تیں حیوان ناطق

اوسی کامدرک کلیہ ہے نام
کہ ہے ادراک اشیا کا اسے فام

احد مطلق و وحدت عین مجمل
ہے تفصیل واحدیت کل مفصل

احد واحد میں برزخ ذاتِ احمد
ظہورِ ذاتِ حق اصفاتِ احمد

وجود او غیب ہویت سوں یکبار
کیا وحدت طرف جلوہ نمودار

احد سوں جب ہوا وحدت ہویدا
کیا وحدت سوں واحد تب پیدا

وجود ہے ذاتِ واجب یعنی اصفات
وجود کا وصف خاص ہے اعتبارات

وجود و علم و نور و ھم شعور ہے
یو وصف خاص اور واجب وجود ہے

لوازم خاص امکانی ز حکمت
حیات علم واردات ہور قدرت

وجود سوں اعتبار، امکاں سوں عنصر
صدف امکان واجب اوس منے زر

سمج تو ممتنع ہے صنع صانع
کہ غیر خود پو ذات او ہے مانع

دگر ممکن سمج امرِ الٰہی
کہ دیوے کاف نوں جس پر گواہی

پس عین راز کن ممکن پچھانو
اوہی امرِ الٰہی عین جانو

رسیا اس امر کا سارا پسارا
سراپا رمز کن کا ہے نظارا[1]

۱۔ مثنوی گلزارِ وحدت، مرتبہ: ڈاکٹر نور السعید اختر، مہاراشٹر اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۸ء، ص: ۳۲

ولیؔ دکنی (م:۱۷۲۰ء- ۱۷۲۵ء)

مثنوی

شتابی سوں دے اے ساقی مہرباں
برہ کا جام جیوں سورج درخشاں

کہ خورشید نبوت کی مدح میں
کنول دل کا کھلا سینہ کے درح میں

محمد وہ کہ جس کے حق میں لولاک
کہاہے خالق املاک و افلاک

عجب گلزار ہے وہ مظہرِ گل
کہ ہے اس باغ کا خورشید اک گل

وہی ہے بے دلاں کا دل کشا باغ
وہی ہے عاشقاں کا مرہم داغ

اسی کا ذکر ہے ایمان مومن
اسی کا یاد اطمینانِ مومن

وہی ہے باغِ اقدس سرورِ دیں
کہ جس کے باغ کا رضواں ہے گل چیں

کھلا کونین میں وہ دین کا گل
دو جگ مشتاق اس کے مثل بلبل

دو عالم جسم وہ ہے جانِ عالم
نبیاں امرا وہی سلطانِ عالم

دکھایا عاشقاں کوں عشق کی راہ
کیا عارف کوں عرفاں بیچ آگاہ

ہوا جو کُئی کہ اس گل سوں معطر
رہا وہ مست ہو تا روزِ محشر

کیاحق اس رسول ارواح خاطر
مرتب چار دیوار عناصر

ہوا جب چار باغ دین روشن
شریعت کا کِھلا اس بیچ گلشن

سنواری گرد اس کے چار دیوار
حقیقت میں سمجھ ہیں یار وہ چار

وہ ہیں مقبول درگاہِ صمد کے
وہی ہیں منتخب اس چار حد کے

دے اے ساقی پیا پے جام دو چار
کہ سائل ہوں اسی مے کا میں لاچار

جو بخشے وہ مجھے ایک جوش مستی
فراموشی میں بھولے خود پرستی[1]

ا۔ کلیاتِ ولیؔ، ص:۳۷۵

شاہ مبارک آبروؔ (م: ۱۷۳۳ء)

مثنوی از متفرق کلام

کروں ہوں میں شروع اس کے نام جن نے پیدا کیے ہیں خاص و عام
جن نے بھیجا ہے ہم کو پیغمبر کہ ہوا گمرہوں کے تیئں رہبر
حمد کہیے ثنائے خالق کو نعت کہیے نبیِ صادق کو

ہے محمد نبیؐ اسی کا رسول اسے جو دی خبر ہوئی ہے قبول
اس کی باتوں کو جن نے جانا سانچ اس کو دوزخ کی لگنی ناہیں آنچ
کہو اس پر درود اور سلام آل و اصحاب پر نبی کے مدام

سب سے افضل محمد عربی فضلِ حق سیں وہ ہے ہمارا نبی
انبیا اولیا سبھی باہم مل کے اس کے کمال سے ہیں کم
ہر نبی کی ہر ایک اُمت تھی اس کے تابع وہی جماعت تھی
اس نبی پر ہوا ہے فضل تمام اُمت ان کی ہوا ہے خلق تمام
خاتم الانبیاء محمد ہے کوئی اس سا جہان میں کد ہے
اس کو پیچھو کوئی پیمبر نہیں اس کا کوئی جہاں میں ہمسر نہیں

دین اس کا رہے قیامت تک ۔۔۔ تا قیامت اسی کا ہے سب جگ
حضرت عیسیٰ جب کریں گے نزول ۔۔۔ اسی کے دین کو کریں گے قبول
اسی کے دین کو زور پکڑا دیں ۔۔۔ جگ کو رب اس کے دین میں لا دیں
شرع اس کی تے اور شرع تمام ۔۔۔ باطل اور شر کر دیے گمنام
شرع احمد کی اور شرع اگر ۔۔۔ متفق آ پڑے جو یک دیگر
ہم کو اس شرع سیں نہیں کچھ کلام ۔۔۔ مگر اتنا کہ سچ ہے وہ پیغام[۱]

غلام قادر شاہ (م: ۱۷۶۲ء)

رمز العشق

وہی وہی نہ دوجا کو ۔۔۔ پر گھٹ ہویا محمد جو
احد ، محمد ایک پچھانو ۔۔۔ ایک ہی دیکھو ایک ہی جانو
حمد کہو اور بہت درود ۔۔۔ فھو الحامدو المحمود
اوّل آخر باطن ظاہر ۔۔۔ ناہیں اس سے کریو باہر
انا من نورہ سنو بیان ۔۔۔ والکل نوری ، دھرو دھیان
سمجھ لیو اور بوجو بات ۔۔۔ ایک ہی ذات ہے ایک ہی ذات
سب بڈھیائی اسے مسلم ۔۔۔ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ و آلہٖ ۔۔۔ و من اشتاق بنور جمالہٖ
سیما شیخی عبد القادر ۔۔۔ نعم المولیٰ نعم الناصر[۲]

۱۔ دیوانِ آبروؔ، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص: ۳۳۴

۲۔ مثنوی رمز العشق، مرتبہ: گوہر نوشاہی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص: ۳۵

سراج اورنگ آبادی (م:۱۷۱۵ء-۱۷۶۳ء)

در نعت حضرت رسالت پناہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

رسولِ خدا سیّد المرسلیں
قیامت کے دن شافع المذنبیں

نبوت کی مسند کا ہے جانشیں
کیا جس کی تعظیم روح الامیں

عجب روز محشر کا سردار ہے
صفِ اصفیا میں وو سالار ہے

جگت میں اوسے سلطنت ہے تمام
جماعت میں ہے انبیا کی امام

رہِ شرع کا ہادیِ مستقیم
شریعت کے دریا کا درِّ یتیم

حبیبِ خدا والیِ روزگار
دو عالم کی اقلیم کے تاجدار

شہِ انس و جاں سب کا مقبول ہے
نبوت کے گلزار کا پھول ہے

کہ جس واسطے خلق پیدا کیا
زمیں آسماں سب ہویدا کیا

کہا حق نے لولاک جس شان میں
شہنشاہ ہے ملک عرفان میں

سدا گم رہوں کا ووہی رہنما
ہے خیر الورا احمد مجتبیٰ

عجب ذات مقبول کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے

بنایا ہے عالم کوں او شاد وو
ہے علمِ لدنّی کا استاد وو

عجب ذات احمد بلا میم ہے
کہ قرآن میں جس کی تعظیم ہے

نہ لاتے تھے کافر اول اس پہ دیں
پچھے معجزے دیکھ لائے یقیں

شہادت کی انگلی دکھا یک بیک
کیا چاند جب شق گیا ان کا شک

زباں کوں کہاں تابِ گفت و شنید
ہے جس کی صفت میں کلامِ مجید

ہے سب سروراں میں اسے سروری
اسی پر ہوا ختمِ پیغمبری

نہ ویسا ہوا کوئی بھی ابتدا
نہ اس باج ہووے گا اب کوئی دوجا

اَوّل بھی وہی تھا اور آخر وہی
ہے باطن وہی اور ظاہر وہی

سراج اب نہ کر گفتگو بیش تر
ادب کے محل سیں نہ جا پیشتر

کہ دم مارنے کی یہاں نہیں ہے بات
اگرچہ وہی ذات یہاں ہوئی صفات

وہی نور یہاں آ کے ظاہر ہوا
اپس آپ قدرت پو قادر ہوا

و لیکن ادب تجھ کو درکار ہے
شریعت کی یہ راہ دشوار ہے[۱]

۱۔ کلیاتِ سراج، مرتبہ: عبدالقادر سروری، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص۲۷۶

شاہ ابوالحسن قربی ویلوری (۱۷۰۶ء-۱۷۶۹ء)

مناجات

یارسول اللہ یا ہادی الورا | تو نچہ ہے شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ
ذرہ ذرہ ہو کو توں ظاہر ہوا | اپنے پیدائی کو توں ساتر ہوا
حق کیا خورشید وحدت کا تجے | اس سورج کا ایک ذرّہ کر مجے
دل کو دے تیرے پرم کی چاشنی | پانوں تیری ذات سوں نت روشنی
میں بی پیاسا ہوں مجھے پانی پلا | چشمۂ وحدت سوں اے بحرِ عطا
حق کوں حق سے دیکھتے حق ہوں اچھیں | حق کو مطلق دیک مطلق ہوا چھیں
بندہ قربیؔ آستاں کا خاک ہے | ہے تیرا کیا پاک و کیا ناپاک ہے
کر کرم سوں پاک اس ناپاک کوں | عرش سوں بر تر توں کر اس خاک کوں

یا رسول اللہ احوالِ تمام
تج پہ ظاہر ہے کہوں کیا والسلام[1]

۱۔ دیوانِ قربیؔ، مرتبہ: پروفیسر سیّد فضل اللہ، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۹۶۴ء، ص:۹۱

مناجات قربی

(1)

الٰہی بھکاری ہوں تجھ دار کا ۔۔۔ گھر آیا ترے در پولے بار کا
محمدؐ کا صدقہ مجھے کر عطا ۔۔۔ نہ محروم کر مجھ کرم سوں اتا
کریماں منگے بن دلاتے ہیں بھیک ۔۔۔ طلب سوں زیادہ لجاتے ہیں بھیک
میں تیرے کرم کے اُپر دھر نظر ۔۔۔ محمد کا صدقہ منگیا عرض کر
کرم پر تیرے بھیک لازم کیا ۔۔۔ مری بھیک توں بیگ بی کر دیا
نبیؐ کی محبت سوں تن میں رکھیا ۔۔۔ میں صدقہ ترے پاس اس کا منگیا
منگیا ہوں میں صدقہ ترے دوست کا ۔۔۔ یو منگنے پو میرے ہوا ہے سکا
یہاں میرے اوپر مقرر ہوا ۔۔۔ کہ تیرا عطا مجھ میسر ہوا
محبت کی شمشیر دے دھات میں ۔۔۔ سپر معرفت کا دے اس سات میں

بھی سنت کی جمدھر کمر میں لگا
کہ اس دشمناں کو کروں میں فنا

شریعت میں دے استقامت مجھے ۔۔۔ حقیقت منے رک سلامت مجھے
مرے سر کو کر پاک تو غیر سوں ۔۔۔ کرم سوں توں کر مسجد اس دیر کوں
جہاں کے تمامی یو ذرات سوں ۔۔۔ دیکھا مجکوں تیری حقیقت کا موں
تصرف منے کر مجھے بے نظیر ۔۔۔ ترے نور قربت سوں کر مستنیر
ملاجیو کوں مرے ترے نورسوں ۔۔۔ ملے بوند جوں جا کے سمدور سوں
اول تھا او سمدور کا بوند میں ۔۔۔ بسر کر رھیا جال میں کود میں

کرم سوں چھڑا مجھ کو اس جال سوں　　ملا دے او سمدور میں در حال توں
اول کرتوں منجکوں فنا خلق سوں　　بزاں کر ہوا سوں منجھ آزاد توں
بزاں کر اردے سوں مجکوں فنا　　کہ تجہ بن نہ رہے منجہ مراد و منا
بڑے حوصلے کا دے کچکول توں　　کہ تا اس منے لیوں اس بھیک سوں
خوشی سات یوں بھیک لے کھاوں میں　　مزہ دوستاں کو بھی دیکھلاوں میں
کیا تم کو رحمت جہاں واسطے　　یو رحمت رہے عاجزاں واسطے
خودی سے نہایت میں عاجز ہوا　　تو ای رحمت اس وقت پر کام آ

خدا ہے کریم اور تم ہو کریم
یو دونوں کریماں منے یک یتیم

(2)

شہ دوسرا میں تمارا چہ ہوں　　بھلا ہور بھرا میں تمارا چہ ہوں
کرم تم کریں ناں تو کاں جاؤں میں　　بجز در تمارے کدر دھاوں میں
بھکاری ہوں میں حق کے درگاہ کا　　وسیلا مجھے تم سے ہے شاہ کا
تمارے شہ شہ خدا واسطے　　خدا سوں کہو اس گدا واسطے
کرم کی نظر اس بھکاری پو کر　　دلا بھیک اس کی بہوت جلد تر
یو میں بھیک لے شاکراں میں اچھوں　　تمن دین کے ناصراں میں اچھوں
کیا میں تمام آپنا مدعا　　مرے حق میں بھی ایک کرنا دُعا
کہ یا رب تو قربی پو کر یک نظر　　دے بھیک اس کے ہور خاتمہ خیر کر[۱]

۱۔　　دیوانِ قربیؔ، ص:۹۲

نوازش علی شیدا

در نعت رسولِ خدا گوید

زباں دھوکے اول بمشک و گلاب
کہوں نعت پاک رسالت مآب

حبیبِ خُدا سیّد المرسلیں
بنا جس کی خاطر کو دنیا و دیں

نبوت کے دریا کا درِّ یتیم
ہے موصوف حق سے بخلقِ عظیم

شفاعت کے گلشن کا رنگیں بہار
خریدار عصیاں کا روزِ شمار

شبِ قدر ہے اس کے گیسو کا تار
عبیر عدن اوس کی رہ کا غبار

صفت اس کے رُخ کی نہ مقدور ہے
کہ جس کا بیاں سورۂ نور ہے

سعادت ہے ایک اس کے گھر کا غلام
ہدایت ملازم ہے اس کا مدام

ہے وہ انبیا میں الف کی مثال
مقدم مؤخر ز راہِ کمال

سراپا تھی ذات اس کی پُرنور نور
اسی واسطے اس سے سایہ تھا دُور

قلم کو اگرچہ نہ پکڑا ہے ہات
رکھا حکم کے خط میں سب کائنات

کیا دین جب اس کا جگ میں ظہور
اوڑا لات عزّا کے سر سے غرور

وہ ہے آئینۂ ذات اللہ کا
وہ سر پنجۂ زور ید اللہ کا

چراغ شبستانِ ایماں ہے وہ
گلِ مغفرت کا گلستان ہے وہ

ہلال اس کا ہے نقشِ قفلِ کمیت
خدنگ اس کے ترکش کا ہے مادمیت

ہے قرآن ورق اس کے اعجاز کا
وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا

نبوت اوپر اس کے رب الجلیل
قمر کے کیا شق کو روشن دلیل
شریعت کا کر اس نے روشن چراغ
طریقت کا اس کو بتایا سراغ
احد اور احمد میں ایک میم ہے
سو وہ میم از بہرِ تعظیم ہے
خدا کا کہا اور اس کا کہا
نہیں کچھ تفاوت دیکھو برملا
ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار
کیا رنج و محنت کے تئیں اختیار
ہے مضمون لولاک سے یوں عیاں
اگر وہ نہوتا نہ ہوتا جہاں
اے شیدا تجھے یہ قیافہ کہاں
کرے نعت جو سرورِ دو جہاں
بھلا ہے ادب کو نہ دے ہاتھ سے
تو کر ختم تسلیم و صلوات سے
جو اولاد و اصحاب ہیں ذوالکرام
سدا بھیج ان پر درود و سلام
الٰہی بحق رسولِ مجید
گناہاں عفو سے مری کر خرید
مدینے میں جلدی سے مجھ کو لیجا
تصدق وہ روضہ کے تا ہوؤں جا
لے پلکوں کی جاروب جھاڑوں صحن
کروں گرد کو طوطیائے نین
زمیں تر کروں اپنے انجواں کے سات
ملے اس سے مجھ آبروئے نجات
کروں عرض یوں اے خدا کے حبیب
تری اُمتوں میں ہوں بیکس غریب
مرے حال پر اپنا کرنا کرم
شفاعت سے رکھنا مجھے محترم[۱]

۱۔ مثنوی اعجاز احمدی، مطبع کریمی، بمبئی، ۱۳۱۳ھ، ص:۵
(اعجاز احمدی کا سنِ تصنیف ۱۷۷۲ء ہے، شاعر کا سن پیدائش معلوم نہیں ہو سکا۔)

مرزا محمد رفیع سوداؔ (۱۷۰۶ء-۱۷۸۱ء)

نعت

محمد باعثِ ایجاد افلاک
محمد علّت غائیِ لولاک

محمد کنت کنزاً کی گواہی
محمد عالم علمِ الٰہی

محمد ہے میسر عالمِ غیب
محمد راز دار حق ہے لا ریب

محمد جگ میں سالارِ رسل ہے
محمد ماہر ہر جز و کل ہے

محمد عالم و علام و عادل
محمد ہے جو کچھ تھا اسکے قابل

یہ بولے روزِ مولود اس کے اطوار
نبوت کی ہے مسند کا سزاوار

دو عالم کی بنا وہ رہبری کو
جلا دی منصبِ پیغمبری کو

نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک
نہ پھرتے آسماں گردِ سرِ خاک

اسی کی ذات سے اثباتِ حق ہے
کہ اس کی ذات عینِ ذاتِ حق ہے

لیا جب نامِ پاک اپنا بہ تعظیم
یہ فرمایا انا احمد بلا میم

خدا کا اس کو ہم سمجھیں نہ ثانی
کہ اُس سے ہے حدیثِ من رانی

ہمیں کیونکر نہ رحمت پر یقیں ہو
کہ جب ایسا شفیع المذنبیں ہو

جہاں بخشش پہ ہو اس شاہ کا حکم
رکھے کوہِ گنہ واں کاہ کا حکم

وہ بیٹھے جب صفِ محشر کے آ صدر
وفور اپنے سے آمرزش ہو بے قدر

زباں پر اس کے جب بخشش سے ہو قال
پھرے جنت گنہگاروں کے دنبال

کہوں کیا خلقتِ حق میں وہ کیا ہے
شرف آدم کا فخر انبیاء ہے

کرے جو ہم سری اس سے کسے تاب
کہ نبیوں سے ہیں بہتر اس کے اصحاب

کئی صدق و عدالت ، حلم میں طاق
کوئی علم و سخا میں شہرہ آفاق

غرض طاقت کسے وصف و ثنا کی
سوا اس کے رسولِ مجتبیٰ کی[1]

ا۔ کلیاتِ سوداؔ، جلد سوم، مثنویات، مرتبہ: ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۹

در نعتِ سیّد المرسلین صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم

الا اے ساقیِ فرخندہ جام — ادب کی مے سے تو آتش کا بھر جام

کہ یاں نقدِ فضولی ناروا ہے — نہیں یہ حمد نعتِ مصطفیٰ ہے

زہے سر دفتر اربابِ ملّت — تداوی بخش صد انواعِ ملّت

محمد وہ کہ ہیں جتنے پیغمبر — ہیں اس کے مرتبے سے سب فروتر

نہ ہوتا وہ اگر زینت دہِ خاک — تصدق خاک کے ہوتے نہ افلاک

جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا — ہوا اوس کے لیے سب کچھ یہ پیدا

غرض جو کچھ کہ اس کا مرتبہ ہے — خدا ہی عالم اس کا یا خدا ہے

یہ منھ اس کی ثنا لائق نہیں ہے — ثنا گرد ان کا جبریل امیں ہے

بس اب بہتر ہے اس جاگہ خاموشی — کہ ہو عجز سخن کی عیب پوشی

سکوت بر محل ہے دل کی تفریح — سخن پر اوس کو سو درجہ ہے ترجیح(۱)

۱۔ کلیاتِ سودا، جلد دوم، عبدالباری آسی، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، س ن، ص:۸۶

میر حسنؔ دہلوی (۱۷۳۶ء-۱۷۸۶ء)

در نعتِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں حبیب اور دوست ان کے مصطفیٰ
بعد ان کے انبیا اور اولیا

وہ محمدؐ وارثِ کون و مکاں
جس کی خاطر یہ بنے دونوں جہاں

وہ محمدؐ رحمت للعالمین
جس کا خادم ایک جبریلِ امین

نعت میں اس کی کہوں میں کیا سخن
میں کہاں اور نعت اس کی اے حسنؔ

مدح جس کی خود کہے پروردگار
کیا ثنا اس کی کہوں میں خاکسار

مرتبہ اس کا یہاں تک ہے بلند
عقلِ کُل کی واں نہیں لگتی کمند

شافع محشر ہے وہ خیر البشر
ہو درود اس پر اور اس کی آل پر

وہ جو پیرو اس کے ہیں اور دوست دار
چار یار و چار یار و چار یار

ان کا میں مداح ہوں یا ذوالجلال
پنجتن کے فضل سے کر دے نہال(۱)

نعت حضرت رسالت پناہ کی

نبی کون یعنی رسولِ کریمؐ
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب
پہ علم لدنّی کھلا دل پہ سب

بغیر از کہے اور کیے بے رقم
چلے حکم پر اس کے لوح و قلم

ہوا علم دیں اس کا جو آشکار
گزشتہ ہوئے حکم تقویم پار

اُٹھا کفر اسلام ظاہر کیا
بتوں کو خدائی سے باہر کیا

کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے
بنایا نبوت کا حقدار اسے

نبوت جو کی اس پہ حق نے تمام
لکھا اشرف الناس خیر الانام

بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اسے
خدا نے کیا اپنا محبوب اسے

۱۔ مثنوی رموز العارفین، شمس الاسلام پریس، حیدر آباد دکن، ۱۱۸۸ھ، ص:۴

کروں اس کے رتبے کا کیا میں بیاں
کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں

مسیح اس کی خرگاہ کا پارہ دوز
تجلیِ طور اس کی مشعل فروز

خلیل اس کے گلزار کا باغباں
سلیماں سے کئی مہردار اس کے ہاں

خضر اس کی سرکار کا آبدار
زرہ ساز، داؤد سے دس ہزار

محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا، نہ ہو گا کہیں

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا

نہ ہونے کا سایے کے ، نہ یہ سبب
ہوا صَرف پوشش میں کعبے کی سب

وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن
کہ تھا کُل وہ اک معجزے کا بدن

بنا سایہ اس کا لطیف اس قدر
نہ آیا لطافت کے باعث نظر

عجب کیا کہ اس گل کا سایہ نہ ہو
کہ تھا وہ گلِ قدرتِ حق کی بُو

خوش آیا نہ سایے کو ہونا جدا
اسی نورِ حق کے رہا زیرِپا

نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھانو
کسی کا نہ منہ دیکھا دیکھ اس کے پانو

وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر
قدم اس کے سائے کا تھا عرش پر

نہ ہونے کی سایے کے اک وجہ اور
مجھے خوب سوجھی پہ ہے شرط غور

جہاں تک کہ تھے یاں کہ اہلِ نظر
سمجھ مایۂ نور کحل البصر

سبھوں نے لیا پتلیوں پہ اُٹھا
زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا

وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں
اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں

نظر سے جو غائب یہ سایہ رہا
ملائک کے دل میں سمایا رہا

نہیں ہمسر اس کا کوئی جز علی
کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی

ہوئی جو نبوت نبی پر تمام
ہوئی نعمت اس کے وصی پر تمام

جہاں فیض سے ان کے ہے کامیاب
نبی آفتاب و علی ماہتاب[1]

۱۔ مثنوی سحر البیان، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ: اشاعت سوم، ۱۹۵۵ء، ص:۶۷

مولانا باقر آگاہ دہلوی (م۱۸۰۵ء)

در حمد و نعت

(رسالہ اول: من دیپک)

جس حمد کونین آخر و اوّل ہے خاص خدائے عزّوجل
نا ذات کو اس کے غایت ہے ناوصف کو اس کے نہایت ہے
اسما و صفات اس کے بے حد اسرار و رموز اس کے بے حد
اسما و صفات نا معدود کرتا تھا اپس کے بیچ شہود
چاہا وہ کمالوں کو یکسر تا باہر اپنے کرے وہ نظر
تب پہنچایا احمد کے تئیں اس آئینہ بے حد کے تئیں
اس آئینۂ روشن کے بھتر جوں چھپتا تھا کیتا وہ نظر
وھاں ذات و صفات اپنی پایا جوں اس کن تھا سو وھاں پایا
اس واسطے ہے مظہر اکبر ہر سر پہ ہے اس کا چھتر
جو شے ہے جان ، تن یا دل حق اس کو کیا احمد کا ظل
عالم کو کیا اس سے پیدا ہر شے کو کیا اس پر شیدا
ہے ازل ابد کا راج اس کو ہے نورِ احد کا تاج اس کو
جو کچھ ہے پیدا ہے اس سے بھی قائم ہے ہر شے اس سے
ہر پیغمبر کا جیو ہے او ہر قدوسی کا پیو ہے او
ہے اول و آخر وہ سب کا ہے باطن و ظاہر وہ سب کا
ہے ارض و سما سب اس کا نور کل عالم سب اس کا ہے ظہور
ہوئے حق تسبی صلوات و سلام روضے پر اس کے صبح و شام
بھی اس کے اہلِ بیت اُپر خاص اس کے تینو لخت جگر
بھی اس کے اصحاب اُپر اور اس کے کل احباب اُپر[1]

۱۔ ہشت بہشت، مطبع گلزار حسنی، بمبئی، ۱۹۰۱ء، ص:۱۸

(رسالہ دوم: من ہرن)

احمد مختار دونوں جگ کا نور — آدم و عالم کو ہے جس سے ظہور
جس کو ہے خوش نام رؤف و رحیم — سب کے اُپر جس کی ہے رحمت عمیم
جو ہے گرفتارِ بجرم و گناہ — اس کو ہے اس سرورِ دیں کا پناہ
جو ہے لکد کوب مصیبت سے خوار — اس کو ہے رحمتِ دو عالم ادھار
جو ہے سماوات زمین کے اوپر — اس کا طلب گار ہے شام و سحر
ذکر میں جس کے تھے رسولاں تمام — اس کو سراتے تھے بدل صبح و شام
جو کتب اُترے تھے رسولاں اُپر — اس کے تھے ذکر سوں پُر سر بسر
اس کے تولد کے بشارات سیں — شور و شعب تھا سگل آفاق میں
اے تری تعریف میں عالم تمام — پُرتری توصیف سے حق کا کلام
نعت تیری کرنی مجھے کیا سکت — عقل ستی بھار ہے تیری صفت[۱]

(رسالہ سوم: من موہن)

وہ شہنشہ کہ جس کی حشمت سیں — انبیا و ملک ہیں حیرت میں
جس کے ہے نور سے جہاں پیدا — جس کے ہیں مکھ پو کن فکاں شیدا
جس کی مشعل عدم کی ظلمت سے — رہ بتائے وجود کے سب کے
جس کی رحمت کا جب ہوا برسات — قحط بھاگا عدم کا کر ہیہات
جس کا امداد و عون ہے ہر دم — خلق سے مانع فنا و عدم
جس کی ہے ہیبت شفاعت سیں — کھلبلی حشر کے مواقف میں
جس کا ہے دیکھنا خدا کا شہود — جس کا ہے نام ورد ہر موجود
جو ہے ہو رب ستی بہت یکتا — بندگی کی صفت میں بے ہمتا
مکتب علم میں ہیں جس کے ملک — اور رسل طفل بے زباں بیشک

۱۔ ہشت بہشت، ص: ۳۴

الغرض بعد حق کے وہ اکمل　　ہر صفت میں ہے سب ستی افضل
تیری تعریف میں کہا یوں جب　　کون تجھ کو سرا سکے یا رب
حمد تیری سے حد ستی جوں بھار　　یونچ نیں نعت مصطفیٰ کو شمار
کوئی کیا کر سکے ثنا اس کی　　آپ تو جب کیا ثنا اس کی[۱]

(رسالہ چہارم: جگ سوہن)

عقل اور فہم ہے جب اے قادر　　بُوج اور وصف میں تیرے قاصر
کر وسیلہ میں محمد کے تیئں　　اس بلا میم کے احمد کے تیئں
کُل ملک اور رسل ہیں کل، آج　　جس کے دریائے کرم کے امواج
جس سے صحرائے قدم ہے گلشن　　جس سے ظلمات عدم ہے روشن
اس کی جاں جلوہ گر ذات و صفت　　انبیا کو نہ ملی جُز حیرت
جس کی اُمت ہیں رسولاں سارے　　کوئی نعت اس کا کرے کیا بارے
اور پکڑ اس کے پچھے دامن آل　　اور کر اصحاب سے دل مالا مال[۲]

(رسالہ پنجم: آرام دل)

جہاں تک ہیں عالم میں حمد و ثنا　　سزوار ہیں تجھ کو یار بنا
ہیں سب عاقلاں جگ کے حیرت منے　　کہ پہنچی نہیں عقل تیرے کنے
ہے لایق تجھے عظمت و کبریا　　کہ مانند تیرے نہیں دوسرا
نہ دل میں سمتا ہے تیرا جلال　　نہ آنکھوں میں آتا ہے تیرا جمال
جو کچھ ہے دو عالم میں حسن و جمال　　تیرا عکس ہے بیشک اے ذوالجلال

۱۔　ہشت بہشت، ص:۵۰
۲۔　ایضاً، ص:۷۲

ترے حسن کا ہر طرف ہے ظہور　　ہے برتر سبھوں سے محمد کا نُور
ترے حسن کو ہے ظہور اتمام　　محمد کی ہستی منے والسلام
ترے حسن و خوبی کا مظہر ہے وہ　　جہاں کے مظاہر سو برتر ہے او
ترے حسن کا ہے او مظہر اوّل　　خلایق ہیں اس کے مظاہر سگل
دیا تو اسے عالم روح پچ　　مقاماں کہ نیں آدم و نوح پچ
نہ تھا بلکہ آدم کا نام و نشاں　　نبوت سو اس وقت تھا وہ عیاں
ہُوا روح اس کا تجلی میں جب　　ہوئے مست و مدہوش ارواح سب
کیا حسن پاک اس کا جب وھاں ظہور　　ہویدا ہوا سب پو روزِ نشور
تماشے میں اس نور کے قدسیاں　　گئے بھول حیرت ستی جسم و جاں
ہو سرمست ارواحِ پیغمبراں　　کئے چاک اپنا گریبانِ جاں
بھی ارواح سب اولیا بے سخن　　اٹھے شور و غوغا میں بلبل نمن
غرض جس مکاں بیچ او گل اٹھا　　جہاں در جہاں شور و غلغل اٹھا
حقیقت میں سب کا ہی مطلوب او　　ہیں سب عاشقاں اور محبوب او
جدھر اس شہنشاہ کا گھر اٹھا　　اودھر سب خلائق کا جھمّر اٹھا
او خورشید ہے سب یہ ذرات ہیں　　او بادِ صبا خلق سب پات ہیں
او مہتاب ہے سب خلایق چکور　　دو عالم میں ہے حسن کا اس کے شور
کیا جسم سوں سب اوسلطان ظہور　　ہوا مختفی اس میں ہو روحِ نور
ہوا حسنِ روحی کو تن پردہ پوش　　دیا عشق ارواح کا بھی خروش
اگرچہ چھپا تن میں روحِ کمال　　دیا جسم کو اس کے حق بھی جمال
کہ جُوں روح اس کا اتھا ارجمند　　ہوا حسن میں جسم بھی سربلند
نہ غایت رکھے اس کا روحی کمال　　نہ پایاں رکھے اس کا جسمی جمال
سب اخلاق پاک اس کے بے قال و قیل　　کمالات روحی اپر تھی دلیل[۱]

ا۔ ہشت بہشت، ص:٩٣

(رسالہ ششم: راحتِ جاں)

جُوں خدا کے حمد میں حیراں ہے عقل　　یوں نبی کی نعت میں ناداں ہے عقل

احمدِ مُرسل شہنشاہِ رسل　　سرورِ عالم امامِ جزو و کُل

وحدتِ مطلق کے گھن کا آفتاب　　خلق جس کے نور کا ہے ایک تاب

جب خلائق کو ہوا اس سے ظہور　　اس سبب سو حق رکھا نام اس کا نور

اس سو عالم پائے جب حق کا سراغ　　حق کہا اس واسطے اس کوچراغ

حق سو ہر دم سو درود سو سلام　　نت اچھو تربت پو اس کے صبح و شام

اس کے اہلِ بیت اور یارانِ پر　　اس کے جتنے اولیا ہیں سربسر[۱]

۱۔ ہشت بہشت، ص:۱۲۸

(رسالہ ہفتم: من درپن)

نہیں ہے نعمتوں کو تیرے غایت
پہ یک نعمت ہے تیری بے نہایت

کہ ہم کوں اُمتِ احمد کیا توں
عجب عزّ و شرف ہمکو دیا توں

اگر عمرِ ابد ہم سب کریں صرف
ادا اس شکر سے تا ہووے یک حرف

ہم اس نعمت سے پائے نعمتاں سب
ہم اس رحمت سے دیکھے خوبیاں سب

غرض ہم اس سے وہ کچھ فیض پائے
کہ گننے میں حساب اس کا نہ آئے

تو جیسا اے خداوندِ سبب ساز
کیا ہے ہم کو اس نعمت سے ممتاز

تو ویسا ہی عطا کر شوق اس کا
کہ جان و تن کو ہو جاں ذوق اس کا

شناسائی دے اس نعمت کی ہم کو
قدر دانی دے اس رحمت کی ہم کو

جہاں پاویں ہم اس کے کچھ اثر کوں
ملے وہاں آپنے ہم چشم و سر کوں

اگر ہم اس طرح ہوویں عجب کیا
کہ یکسر اصفیا ہیں اس کے شیدا

ملائک مقتدا کر جانتے ہیں
رسولاں پیشوا کر مانتے ہیں

اسے ملک و مَلک اوپر ہے شاہی
رسالت اس کی ہے مہ تابہ ماہی

ہے گنجِ غیب کا مفتاح اسرار
ہے بیت القدس کا مصباح انوار

بہارِ حسن کا ہے صبحِ اوّل
فروغِ عشق کا ہے نور اکمل

ہے حسن و عشق کا وہ رقِ منشور
کہ جس کا عرش ہے اک آیت النور

ہے وہ ام الکتاب وہ نور قدسی
کہ جس کی آیت الکرسی ہے کرسی

حروف اس کے ملائک ہور رسل ہیں
نقاط و صفر اس کے جزو و کل ہیں

ہے جس کا خوابگاہِ خاص وحدت
ہے باد عام جس کا واحدیت

مقامِ خاص او ادنیٰ ہے جس کا
خدا بن کوئی نہیں دانا ہے جس کا

تھے جس کے پیش کاراں انبیا سب
تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیا سب

ملایک جس کے تھے فوج معظم
نقیب اس فوج کا جبریل اکرم[۱]

۱۔ ہشت بہشت، ص:۱۴۶

(رسالہ ہشتم: من جیون)

لایا توں یک آفتابِ وحدت
جس سے نہ رہے جہاں میں ظلمت
لایا توں ایک ایسا ابرِ رحمت
جس سے نہ رہے کہیں بھی عسرت
لایا توں ایک ایسا روح اعظم
پایا ہے حیات جس سے عالم
ایسا توں چراغِ یک لگایا
دل جس سے ترا سُراغ پایا
یعنی شاہ دو جہاں محمدؐ
سرمایۂ جسم و جاں محمد
یوں اس کا کیا توں رُتبہ بالا
جو اس کا ہوا ہے تیرے والا
طاعت ہے تری اطاعت اس کی
قربت ہے تری محبت اس کی
جو اس کی رضا تیری رضا ہے
حکم اس کا جو ہے تری قضا ہے
بات اس کی ہے وحی تیری مطلق
شان اس کی ہے تیری شان الحق
طالب اس کا ترا ہے مطلوب
تابع اس کا ترا ہے محبوب
بھیجے تو درود جس پہ ہر دم
ہور اس کو سراوے کیا اُسے کم
اور ان کی ثنا وہاں ہے ناچیز
بلکہ سب کا بیاں وہاں ہے ناچیز
آل اور صحابہ اس کے سارے
بے شبہ ترے ہیں سب پیارے
جو امتیاں اس کے ہیں یکسر
تجھ پاس ہیں امتوں سے بہتر
خاص ان میں جو اولیا ہیں اکمل
تجھ پاس ہیں سب ستی وہ افضل[1]

۱۔ ہشت بہشت، ص:۲۴۰

آفتاب شاہ عالم ثانی (م ۱۷۲۷ء-۱۸۰۶ء)

منظوم

محمدؐ باعثِ کون و مکاں ہے
محمدؐ سرورِ ہر دو جہاں ہے

محمدؐ مورد لطفِ خدا ہے
محمدؐ شافع روزِ جزا ہے

محمدؐ معدنِ رازِ نبوت
محمدؐ مخزنِ سرِ رسالت

محمدؐ مفخرِ اولادِ آدم
محمدؐ موجبِ ایجادِ عالم[1]

۱۔ عجائب القصص، مرتبہ: راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۵

میر تقی میرؔ (م۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

در نعت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ثنا جانِ پاک محمدؐ کے تئیں
درود و تحیات احمد کے تئیں

رسولِ خدا و سرِ انبیا
زہے حشمت و جاہِ صل علیٰ

دیا مجلسِ کبریا کا ہے وہ
شرف دودمانِ قضا کا ہے وہ

سب اس صفحے میں ہے ظہورِ خدا
پر اس سے عبارت ہے نُورِ خدا

جہاں وہ ہے واں جبرئیلِ امیں
اڑے حشر تک تو پہونچتا نہیں

کروں اس کی قربت کا کیا میں بیاں
کہ تھا قاب قوسین ادنیٰ مکاں

مرا زیرِ پا اس کے فرقِ نیاز
کیا جس کی خلقت پہ صانع نے ناز

بصورت اگر عبد مشہود ہے
حقیقت کو پہونچو تو معبود ہے

نہیں پا شکستوں کا اب دستگیر
محمد بنِ اور آلِ بن اس کے میر

گناہگار ہوں چشم ایک اس سے ہے
توقع شفاعت کی ایک اس سے ہے

درود آل پر اس کے ہر صبح و شام
وہ ہے شافعِ حشر و خیر الانام

پلا ساقیا بادۂ لال گوں
کہ ہو جائیں سرخ آنکھیں مانند خوں

ہے اب حرف مستانہ کا دل میں جوش
کر آویزۂ گوش گر کچھ ہے ہوش[1]

۱۔ مثنوی اعجاز عشق، کلیاتِ میر، مرتبہ: عبدالباری آسی، مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۴۱ء، ص:۹۳۷

راسخ عظیم آبادی (۱۷۵۶ء-۱۸۲۲ء)

نعت

پلا ساقی شراب ہوش افزا ۔۔۔ کرے بیخود نہ مجھ کو نشہ جس کا
نہ کوئی حرفِ مستانہ ہو سرزد ۔۔۔ کہ رکھتا ہوں سرِ نعتِ محمدؐ
نثارِ نام احمد تحفۂ جاں ۔۔۔ ہے احمد سے فروغ چشم ایماں
چراغ دیں چراغ خانہ اس کا ۔۔۔ نہ دل روح القدس پروانہ اس کا
چلے جب وہ تو ہو بالِ ملک فرش ۔۔۔ نہ تنہا فرش پا انداز ہو عرش
جہاں میں آیا جب وہ دیں کا سرور ۔۔۔ کہا تب کفر نے اللہ اکبر
ہوئے اس سے قوی پشت اہل اسلام ۔۔۔ زہے وہ کس زباں سے اس کا لوں نام
وہ کچھ ہے اس کا بام رُتبہ و جاہ ۔۔۔ کہ نردباں ہے اس کا 'لی مع اللہ'
اسے جس بزم قدرت تک گزر ہے ۔۔۔ ملک واں حلقۂ بیرونِ در ہے
اسی کا نور ہے روشن گرِ عرش ۔۔۔ کفِ پا اس کی ہے تاج سرِ عرش
زہے چشمِ لطافت مایہ اس کا ۔۔۔ کہ برتر روح سے ہے پایہ اس کا
ہوا ہر دشمنِ دیں کا جگر شق ۔۔۔ کیا جب اس نے معجز سے قمر شق
طریق قرب میں پا اس کا واں ہے ۔۔۔ بہت پیچھے جہاں سے لامکاں ہے
کی اس کے اشک نے وہ عذر خواہی ۔۔۔ کہ دھوئی رُوئے عاشق سے سیاہی
بہا آنکھوں سے اس کی دریا سو بار ۔۔۔ گنہگاروں کا تب بیڑا ہوا پار

نہ ہوتی آب ریز اس کی اگر چشم
نہ سرد ہوتی خدا کی آتشِ خشم
نہ ہوتا گر وہ جانب دارِ اُمت
نہ آساں ہوتی یہ دشوار اُمت
کسو کو خوف عصیاں کا نہیں ہے
وہ ایسا ہی شفیع المذنبیں ہے
کہ کرتے ہیں جو عصیاں جائے طاعت
انھوں کو بھی ہے اُمید شفاعت
شفاعت جب کہ اس کے لب پہ ہو حرف
تو رحمت ہووے خورشید اور گنہ برف
شفاعت پر وہ جس عاصی کے آئے
وہ عاصی فی گنہ صد حُور پائے
ہے اس سے گرم بازارِ شفاعت
وہی ہیگا سزاوارِ شفاعت
زہے وہ اور زہے اس کے سب احباب
خصوصاً ذات پاک آل و اصحاب
زہے وہ اس کی آل پاک طینت
کہ ہے وجہِ نجات ان کی اطاعت[1]

۱۔ مثنویات راسخ، مرتبہ: ممتاز احمد، لیتھو پریس، پٹنہ: ۱۹۵۷ء، "نیرنگِ محبت"، ص:۷

نعت سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

زہے اشرف الناس خیر الانام
جناب محمد علیہ السلام
زہے موجب اعتبارِ بشر
تقدّس مآب افتخارِ بشر
ہوئے پیدا اس کے سبب آسماں
بنے اس کی خاطر زمین و زماں
اگر رہتا مخفی وہ نور اللہ
سیہ رہتا آئینۂ مہر و ماہ
نہ ہوتا اگر ظاہر اس کا وجود
عدم ہی میں رہتی یہ ساری نمود
نہ ہوتا جو پیدا وہ فخرِ جہاں
تو رہتا نہاں ہے جو یہ سب عیاں
زہے مظہرِ خاص کیا اس کی بات
امام رُسل سیّدِ کائنات
کیا پیش خیل انبیا کا اسے
دیا مرتبہ حق نے ایسا اسے
رسالت ہوئی ذات پر اس کی ختم
نبوت ہوئی ذات پر اس کی ختم
اسی نے کیا محکم ایوانِ دیں
ہوا اس سوا کون سلطانِ دیں
ہوئی منہدم اس سے بنیادِ کفر
خرابا ہوا شہر آباد کفر
عَلَم دین کا جبکہ برپا کیا
نگوں ان نے ایواں کیخسرا کیا
زہے وہ زہے اس کی قدرِ رفیع
زہے عاصیوں کا وہ ایسا شفیع

قطعہ

گنہ گو شب و روز اُمت کرے
پہ وہ حشر میں جب شفاعت کرے
تو ووہیں بہشت اپنی جا گا سے جائے
گنہگار کو پیشوا ہو کے لائے
زہے وہ زہے وہ شفیع الامم
کروں نعت کیا اس کی راسخ رقم
اگرچہ میں ایسا گنہگار ہوں
کہ دوزخ کا بھی ننگ ہوں عار ہوں
گنہ میرے ہر چند ہیں بے شمار
ولے ہوں شفاعت کا امیدوار
زہے اس کی ذات نبوت مآب
زہے آل و اصحاب عالی جناب[1]

ا۔ مثنویات راسخ، "کششِ عشق"، ص:۲۰

صفر سنجی عندلیب طبع در حدیقہ ہمیشہ بہار نعتِ سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

احمد شہِ انبیائے مرسل — دریائے قدم کی موجِ اوّل
انسان العین شخص ایماں — نور مرآت نازک جاں
محسود ملائک مقرب — منظور و حبیب حضرت رب
سر باطن ، ظہور ظاہر — ذات اس کی مطہر و طاہر
سر تا بہ قدم تجلیِ حق — وہ ما صدق وجود مطلق
ختم رُسل اوّلیں تعین — یونان علم کا فلاطن
حق نے دیے اس کو دولتِ فقر — اللہ رے اس کی شوکتِ فقر
مسکیں تھا پہ مایہ دارِ دیں تھا — یعنی وہ شہ دیارِ دیں تھا
ہے مرتبہ اس کا فوق ادراک — جانوں کا خلاصہ وہ تن پاک
آساں ایسے کو کب بنایا — وہ اشرف خلق تب بنایا
کی جب صانع نے ایک مدت — مشق چندیں ہزار صورت
نعت ایسے کی مجھ سے کب بیاں ہو — جبرئیل بھی جس کا مدح خواں ہو
ہم گمرہوں کا وہ رہبر ہے — آل اس کی خلاصۂ بشر ہے[1]

ا۔ مثنوی حسن و عشق، ص:۳۰

نعتِ سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

کیوں نہ ہو نعت اس کی فرضِ عین
نور جس کا منور کونین

انبیا کے گروہ کا سالار
کون وہ یعنی احمدِ مختار

شرف و افتخار موجودات
پردہ دار صفات و مظہر ذات

نہ فقط فخر نوعِ آدم کا
بلکہ ہجدہ ہزار عالم کا

نور اس پاک کا کہ وہ ہے بشیر
دو جہاں کا ہے مایۂ تخمیر

مہمان عزیز حضرت ربّ
وہی اک مہمان طفیلی سب

آیا دنیا میں جب وہ جاں افروز
کفر کا روزِ مرگ تھا وہ روز

بانئ قصر محکم دیں ہے
محی دیں خاتم النّبیں ہے

وہی مخرب ہے لات و عزا کا
سرنگوں ساز قصر کسرا کا

رتبہ اس کا بلند شانِ عظیم
درج پیغمبری کا دُرِّ یتیم

وہ تقدس کے آسماں کا بدر
وہی مخصوص ہے بہ شقِ صدر

اس کی نعلینِ پا سروں کا تاج
اللہ اللہ جلالتِ معراج

تھا زمیں پر کہ آسماں کے اُدھر
کرسی و عرش و لامکاں کے ادھر

ق

کس کو معلوم ہے کہاں تھا وہ
یہ خدا جانے پر جہاں تھا وہ

عقل کا اس جگہ تو داؤ نہ تھا
وہم کا فہم کا لگاؤ نہ تھا

قاب قوسین اس کی ہوئی جاگہ
جامۂ عنصری کیا واں تہ

در الطاف دوست وا دیکھا
اور کیا جانیے کہ کیا دیکھا

اس کے پیشِ نظر رکھا اس دم
ایک خوان وسیع لطف و کرم

کیا کہوں منتفع ہوا کیسا
میہماں ایسا میزباں ایسا

آگہہ اسرار ما خلق سے ہوا — وہ مشرف کلام حق سے ہوا
آگہوں نے کیا ہے یوں ارقام — تھا یہ خالق کا اوّلیں کلام
کای حبیب جلیل دل آگاہ — بارے کیا لایہ ہدیۂ درگاہ
عرض کی اس جناب نے بہ نیاز — عجز لایا ہوں اے ضعیف نواز
آئی آوازیوں کہ اے مقبول — ہم نے ہدیہ ترا کیا ہے قبول
پیشکش عجز کو کیا تو نے — خوب ہدیہ ہمیں دیا تو نے
قادریت عجب عجب ہے یاں — نہیں اک عجز اور سب ہے یاں
خوش ہوا سن یہ وہ امام ہدا — ووہیں اک سجدۂ طویل کیا
آگہی امر و نہی سے ہوئی جب — واں سے رجعت کا حکم پایا تب
عالم قدس سے وہ جان جہاں — آیا پھر سوئے عالمِ امکاں
واں نہ فرصت تھی اس کو زاری سے — وقت رجعت جنابِ باری سے
ہدیہ صوم و صلوٰۃ کا پایا — یہی اُمت کے واسطے لایا
رہا ثابت قدم عبادت میں — صرف کی عمر ساری طاعت میں
غیر طاعت نہ اور کام کیا — اک یہی کام بس مدام کیا
فکر امت کی تھی بوقت وفات — مانگتا ہی رہا دعائے نجات

ق

عزت ایسی کہ کیا ہو جس کا بیاں — قابض جاں بہ آں جلالت شاں
در پہ اس کے کھڑا رہا بہ ادب — یعنی پہلے ہوا وہ اذن طلب
گھر میں بے اذن پاؤں دھر نہ سکا — روح پاک اس کی قبض کر نہ سکا
کس نبی نے یہ منزلت پائی — ہوں میں اس مرتبہ کا شیدائی
معجزہ یہ کہ شق قمر کو کیا — نہ یہی رد شمس اس سے ہوا

مردے زندہ کیے ہیں گرنا گاہ　　کہہ کے عیسیٰ نے قم باذن اللہ
اس کے جو اولیائے امت ہیں　　مالک رتبۂ ولایت ہیں
قم باذنی کہیں ہیں وے کیا بات　　کرتے ہیں زندہ اس سے وے اموات
قرب ایسا کہ اس کے وقت حضور　　بہت اس سے نبی مرسل دُور
تھا جہاں وہ حبیب رب جلیل　　واں کہاں جبرئیل و میکائیل
نعت ایسے کی کیا بیاں ہووے　　گو ہر اک موئے تن زباں ہووے
آل کی اس کے ہے وہ ارفع شاں　　دوستی جس کی مایۂ ایماں
اس کے اصحاب جملہ مہر و وفا　　صاحبِ علم و صدق عدل و حیا
سیماً وہ درِ مدینۂ علم　　سینہ جس کا ہے اک خزینۂ علم
ہے صفت سے پرے صفت اس کی　　منھ مرا اور منقبت اس کی[1]

۱۔　　مثنوی اعجازِ عشق، ص:۳۰

منظر دوم در نعتِ سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

زہے پیغمبر ارشاد مآب
مورد و مہبط جبریل و کتاب

مرجع موسیٰ و عیسیٰ و خلیل
صاحبِ منزلت و قدر و جلیل

ہادیٔ طائفۂ گمراہاں
فقر سرمایہ و شاہِ شاہاں

علت غائی عرش و افلاک
شان میں اس کی ہے وارد لولاک

اس سے وابستہ ظہور اور شہود
اس کو حاصل ہے مقامِ محمود

ہے دو عالم کا وہ انسان العین
زینت مسند قاب قوسین

نور آئینہ مہر و مہ کا
فرش بالِ ملک اس کی رہ کا

جب چلا وہ شہ عرش جناب
فرق پر اس کے رہا چتر سحاب

قربِ حق ہے اسے مافوق الحد
نام اس سرورِ دیں کا احمد

خاک سے خلق ہوا ہے جو وہ پاک
آسماں پھرتے ہیں گرد سر خاک

واہ کیا دفتر ہے یہ کر ٹک غور
مرتبہ اس سے فزوں تر نہیں اور

کہ خدائے دو جہاں کا ہے حبیب
منزلت ایسی ہوئی کس کو نصیب

کچھ نہ طاعت کے سوا اُن نے کیا
بندگی کا حق ادا اُن نے کیا

کن نے تقویٰ کو دیا طول ایسا
کون ہے بندۂ مقبول ایسا

اولیا ہیں سبھی اس کے محتاج
انبیا کے لیے وہ سر کا تاج

اکمل و اشرف و افضل ہے وہ
ذات کا مظہر اول ہے وہ

ہے وہی مجمعِ امکان و وجوب
ہے اسے رتبۂ کشفِ محجوب

ہستی اس کی سببِ نظم کُل
زہے وہ قافلہ سالارِ رسل

نعت ایسے کی کہاں ہو مجھ سے
وصف اس کا نہ بیاں ہو مجھ سے
آل کی اس کے ہے کیا شان رفیع
دوستی ان کی ہے میری تو شفیع
اس کے اصحاب ہیں سب نیک شعار
ایک کا ایک انیس و غمخوار
ہمہ تن صدق و صفا ہے کوئی
عادل و اہلِ حیا ہے کوئی
لیک ان میں ہے جو اک شخص امام
میں بہ تخصیص ہوں اسی کا غلام
انبیا کا بھی معیں ہے وہ ولی
نام اس شیر خدا کا ہے علی
میں کہاں اور کہاں اس کا وصف
مجھ سے ہووے نہ بیاں اس کا وصف(۱)

نعت

محمد مہبط روح الامیں ہے
حبیب خاص رب العالمیں ہے
مہِ برجِ رسالت ذات اس کی
کلام قدسی اک اک بات اس کی
وجودِ ہر دو عالم کا سبب ہے
وہی ہستیٔ عالم کا سبب ہے
اگر غیبت سے وہ ہوتا نہ ظاہر
تو ظاہر ہے کہ کچھ ہوتا نہ ظاہر
وہ ہے سرِ ربوبیت کا محرم
وہی ہے اشرفِ اولادِ آدم
وہ عالی رتبہ ختم الانبیا ہے
وصی اس کا امام اولیا ہے
دل اس کی آل پر قربان میرا
ولا ان کی ہے دین ایمان میرا(۲)

۱۔ مثنوی نور الانظار، ص:۳۰
۲۔ مثنوی گنجینۂ حسن، ص:۱

سعادت یار خاں رنگین (۱۷۵۷ء-۱۸۳۵ء)

نعت سیّد المرسلین و خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سو پیمبر ہے وہ محمد پاک
رشکِ سرمہ ہے جس کے پاؤں کی خاک

خلق کرنا جو اس کا تھا منظور
تو کیا اس روش سے اس کا ظہور

مرضی پاوے گا جب اپنے رب کی
تو شفاعت کرے گا ہم سب کی

شکر کرتے ہیں ہم ہزار ہزار
کہ ہمارا ہے ایسا حامیٔ کار

جن و انسان کا وہ رہبر ہے
بے شک و شبہ وہ پیغمبر ہے

وہ اوراس کے وہ آل اور اصحاب
اور جتنے کہ ان کے ہیں احباب

واسطے ان کے اور طفیلِ رسولؐ
یہ دعا اے کریم کر تو قبول

بابِ رحمت کو مجھ پہ کیجیو وا
فعل بد کی نہ دیجیو مجھ کو سزا

جان اور دل سے ہوں میں ان کا غلام
آگ دوزخ کی مجھ پہ کیجو حرام[1]

۱۔ مسدس رنگین، مرتبہ تحسین سروری، ادارہ ترقی ادب، کراچی، ۱۹۵۲ء، ص:۱۸

نعت پیمبر ﷺ

آپ بھی عاشق پیغمبر پر ہوا — نور سے اپنے اسے پیدا کیا
کیا کہوں نعت اس شہِ لولاک کی — جسکے باعث ہے یہ عزت خاک کی
اس کی ہستی کا نہ ہوتا گر سبب — تب یہ مخلوقات کچھ ہوتی نہ سب
ذاتِ عالی کا اسی کے ہے ظہور — یہ جو ظاہر ہر جگہ ہے اس کا نور
اس کے باعث سے ہوئی یہ کائنات — ہے بنا ہستی کا جواب تک ثبات
فیض اُمت پر یہاں تک عام ہے — قم باذنی کا یہاں احکام ہے
یہاں زبان قاصر ہے جو کیجیے بیاں — خاک کے پتلے کو یہ طاقت کہاں
وہ جو ان کے آل اور اصحاب ہیں — ہو جیو ان پر درود اور رحمتیں
طول اے رنگیںؔ اسے اب دیجیے کیا — الغرض اپنا بھی ہے کچھ مدعا[1]

۱۔ مثنوی رنگین، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۸۴۵ء، ص:۳۰

در نعت سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ علیہِ وسلّم

لکھوں نعت اس کی میں کس طرح ساری
براق ادنیٰ تھا جس کی اک سواری

بڑا ہے عرش سے بھی ان کا پایا
کہ سب کچھ جن کی خاطر ہے بنایا

بظاہر گرچہ وہ امی تھے لیکن
بھرا تھا علم سے کُل ان کا باطن

وہ باتیں ان کے تھیں نزدیک آساں
کہ جن کو کر سکے نہ مطلق انساں

بیاں ان کی کریں کیا تم سے اوقات
یہ الفت ان کو تھی ہم سے کہ دن رات

جناب کبریا میں کر کے زاری
طلب کرتے تھے آمرزش ہماری

اگر حامی نہ ہوتے ایسے کامل
تو بیشک ہم کو پڑتی سخت مشکل

نبی کتنے گئے اس غم سے روتے
کہ اے کاش ان کی ہم اُمت میں ہوتے

تلف یونہی ہوئی سب ان کی رقت
بر آوے گی مگر عیسیٰ کی حسرت

سراہیں اپنی ہم قسمت کو رنگیں
کہ اُمت میں ہوئے ہم ان کی بے دیں (۱)

دیں (۱)

۱۔ فرس نامۂ رنگین، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۶ء، ص:۱

امام بخش ناسخ (۱۷۷۲ء-۱۸۰۹ء)

در نعت حضرت رسالت پناہ

لکھ اے کلک اب نعت خیر الانام
علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

منیب علی، نائب کردگار
سر لشکر انبیائے کبار

وہی مرکز عالم کن فکاں
وہی باعث صحت جسم و جاں

چلے حکم کے ساتھ اکثر درخت
ہوئے نقش پا ہر سنگ سخت

کیا جس نے ماہِ دو ہفتہ کو دو
بلائے نہ کیوں عمرِ رفتہ کو وو

بھلا کس کو نسبت ہے اس شاہ سے
کیا اس نے بیعت یداللہ سے

مراتب ہوں اس کے بیاں مجھ سے کیا
کہ ہیں اس کی امت میں کل انبیا

وہ لاریب محبوب معبود ہے
وہی خلق آدم سے مقصود ہے

ہوئی اس کے قدموں سے قدرِ حرم
فلک اس کے روضے کے آگے ہے خم

شہنشاہ دیں تھا وہ عالی جناب
ہمیشہ پھرا سر پہ چترِ سحاب

زہے رتبۂ نائب ذوالجلال
گیا پہنے نعلین کس جا بلال

یہ معصوم چودہ ہیں سب خوب و نیک
محمدؐ سے لے تا محمد ہیں ایک[1]

۱۔ مثنوی ناسخ، مرتبہ: حبیب اللہ غضنفر، کتابستان، الہ آباد: ۱۹۳۱ء، ص:۲۶

رباعیات

مولانا محمد باقر آگاہ (م۱۸۰۵ء)

ہے پایا ترے مقام کا او ادنیٰ
ادنیٰ ہے ترے کمال میں ہر اعلیٰ
تو ذات و صفات کا ہے عالم پورا
آدم کو اگر نصیب ہے از اسماء

اے ذات تری محمد و احمد نام
اے وصف ترا حامد و محمود مقام
ہے ظاہر و باطن ترا مشتق از حمد
ہر لحظہ تری روح پہ صلوات و سلام

اے انفس و آفاق تیرے دیوانے
ارواح تری شمع کے ہیں پروانے
کوئی وسعتِ مشرب کو ترے کیا جانے
تو جلوۂ ذاتی کے پیا خم خانے

جو حضرت وحدت میں احد کہلایا
سو رتبۂ کثرت میں ہوا احمد آیا
در روح و مثال و جسم و کون جامع
گر جلوہ ہر یک محل لقب یک پایا

جیسا ہے تو فاتح وجودِ عالم
ویسا ہی تو ہر کمال کا ہے خاتم
جاؤں میں کدھر چھوڑ حمایت تیری
تیرے سے کیا ہے جب توسل آدم

اے گنجِ نہاں خانہ وحدت کے طلسم
ہے مُلکِ مَلک کا حرزِ جاں ترا اسم
رتبے کو تیری روح کے کیا سمجھے کوئی
جب صاف ترا از جاں ہو گیا ترا جسم

احمد ہے حقیقت میں اوس سا واحد
پر ملک ملک میں آ ہوا ہے احمد
سمجھے تو حدیث تری بس ہے سند
محبوبِ احد کہاں سے ہو غیر احمد

اے کاشف اعیان خفی ترا نور
ہے سرِو علن تیری تجلی کا ظہور
ہوتا نہ اگر جلوہ ترا راہنما
رہتے سب اندھیرے میں عدم کے مستور

ہو کیفیت صفت سے موسیٰ سرشار
آیا ہے بن اوس نشہ کا خواب آئینہ دار
تو شیشۂ ذات کا ہوا صبحِ بہار
آیا تو نہ ظاہر تھے تیرے میں آثار

اے تری محبت کی ناواجبیت دلیل
تو عشق نو دکن کا ہے اصل اصیل
جو ذرہ کہ کرتا ہے بہ ہستی پرواز
ہے مہر حقیقت کا ترے ظل ظلیل

اے صبح بہار حسن اول کے گل
ارواح قدس عشق کا تیرے بلبل
ٹپکا ہے تری نگہ سے یک رشحۂ مُل
اس طرح مچی انفس و آفاق میں غُل

اے ظاہر و باطن میں رفیع الدرجات
افہام سے باہر ہیں سبھی تیرے صفات
ہیں اوّل خط سے متصل رسل و ملک
تو اس طرف اوس کے ہو، ہُوا واصل ذات

اے روح قوالب و نفوس و آفاق
ظلمت میں عدم کے لیے تیرے سے اشراق
جیسا ہے الوہیت میں رب تیرا فرد
ویسا ہی عبودیت میں تو ہیگا طاق

ہے ظلمت حیرت کا میرے پر گھیرا
ہر دم ہے ترقی میں اندھیرا میرا
بنتا نہیں کچھ میرے سے اے نورِ وجود
کب ہوئے گا یک جلوہ احساں تیرا

ہے بخت گراں خواب یہ آوارے کی
راہیں ہوئی سب بند یہ بیچارے کی
کر لطف و کرم سے دستگیری میری
صدقے ستی اس اپنے جگر پارے کی

اے ساقیٔ کوثر مدح مَے ہو عطا
ہے مشربہ خاص ترا او ادنیٰ
ہر چند وہ ساغر کے نہیں ہوں لائق سا
یک جرعہ وہ صہبا سے مجھے کر تو عطا

گھیرے ہے عجب حیرت سرشار مجھے
دن ہو گیا مانند شبِ تار مجھے
پندار خودی کیا دل افگار مجھے
بن لطف ترے کوئی نہیں یار مجھے

نئیں کوئی بھی خوبی سے مجھے زینت و زین
ہوں شورشِ اوہام سے حیران دن رین
تس پر مرے پی عجب و عجب تمام
گن لے مدد انت بحق حسنین

ہے طاعتِ قیوم اطاعت تیری
ہے قوّت حق سے استطاعت تیری
امید میں رکھتا ہوں تری سمجھا ہوں
نافذ ہے دو عالم میں شفاعت تیری

اے ختمِ رسل سید عالی درجات
گنجین ہیں دو عالم کے سبھی تیرے ہات
اے جزوی و کلی کی پنہ تری ذات
مت لکھیو میری کسی کے اوپر تو برات

یا رب ترا انس معنوی دے مجکو
قربت کا تری جذب قوی دے مجکو
عادات و عبادات کا سب احوال اندر
احمد کی ہمیشہ پیروی دے مجکو

اے گلشنِ وحدت میں بسیرا تیرا
نت باغ و ادنیٰ میں ہے پھیرا تیرا
انظار سے قدسیوں کے ہیں اس کے طناب
برپا ہے جہاں قرب کا ڈیرا تیرا(۱)

۱۔ مولانا باقر آگاہ کے ادبی نوادر- مرتبہ: علیم صبانویدی، ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، مدراس: ۱۹۹۴ء، ص:۱۰۳-۱۱۰

جعفر علی حسرت(م:۱۷۹۱ء)

احمد کہ جو پشت پر نگیں رکھتا تھا
اُس مہرِ نبوت میں یہ تھا نقش کھلا
یعنی یہ کلمہ اس کی جو پشت پہ ہے
ہے پشت پناہ ہر پسیں پیش تھا

وہ ختم رسل کہ ہے شہِ دوسرا
ہر گز نہیں نورِ احدیت سے جُدا
ہر چند کہ آیا ہے رسولوں کے اخیر
پر خاتم بالخیر یہی ہے باخدا

بادشاہِ اُمم ، ختم رسل ، نورِ خدا
کوئی تجھسا نہیں سوا علی خویش ترا
حسرت کی تو محشر میں شفاعت کیجو
از بہر علی و حسنین و زہرا

شق القمر اس کے سے ہو انگشت نما
معراج میں عرش پر رکھا جس نے پا
گو اُمّی تھا پر حرف صحیح اور غلط
قرآن پہ رکھ انگشت بتا دیتا تھا[1]

ا۔ کلیاتِ حسرت، ص:۳۳۳-۳۳۴

ولی دکنی (م ۱۷۲۰ء-۱۷۲۵ء)

اے جیو دو عالم کا ترے مکھ پہ فدا
محتاج تری ذات سوں سب شاہ و گدا
مجھ عاجز بے کس پہ نظر رحم سوں کر
اے منظر ہر ناظر و منظورِ خدا

مے خانہ جگ کا جس نے سر جوش کیا
اس ہاتھ سوں عالم نے قدح نوش کیا
اس سیّدِ عالم کوں جو دیکھا یکبار
یکبارگی عالم کو فراموش کیا

تجھ مکھ کا ہے یو پھول چمن کی زینت
تجھ شمع کا شعلہ ہے لگن کی زینت
فردوس میں نرگس نے اشارے سوں کہا
یہ نور ہے عالم کے نین کی زینت

اے خلق کے زیب و زین مجھ حال کوں دیکھ
اے جدِّ حسن حسین مجھ حال کوں دیکھ
تجھ باج مجھے نہیں ہے دوجا جگ میں
شاہنشاہ مشرقین مجھ حال کوں دیکھ

تجھ یاد کے تئیں روح سوں ہمدم کہتے ہیں
تجھ نام کے تئیں دافع ہر غم کہتے
تجھ باج دُجے کو جو نہ دیکھے بہتر
تو خلق تجھے سیّدِ عالم کہتے

تجھ فیض سوں اکھیاں کوں مری نت ہے تری
تجھ یاد سوں ہر اشک مرا رشکِ پری
ازبسکہ ترا جمال سینے میں رکھا
پایا ہے مرے خیال نے دیدہ وری[۱]

۱۔ کلیاتِ ولی دکنی، ص:۳۱۹تا۳۲۲

میر سوز (م ۱۷۵۸ء)

اے اُمت حضرت رسول الثقلین
مانگو ہو اگر دونوں جہاں کا تم چین
تو ورد کرو صبح و مسا اپنا تم
اللہ و محمد و علی و حسنین[۱]

مرزا جمال اللہ عشق اورنگ آبادی (م ۱۷۸۰ء-۱۷۸۱ء)

احمد کہ ہے فوق سب سے پایہ اس کا
لولاک سے حق وصف سراپا اس کا
بے سایہ اسے جہاں میں حق نے بھیجا
یہ چرخ پہ خورشید ہے سایا اس کا[۲]

۱۔ دیوانِ میر سوز، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، ۱۹۶۳ء، ص: ۵۰۴
۲۔ دیوانِ عشق، مرتبہ: محمد اکبر الدین صدیقی، ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۱۵

قیام الدین قائمؔ (م ۱۷۹۳ء-۱۷۹۴ء)

یا ختم رسل گو کہ تو پیچھے آیا
آگے حق کے ترا سا کس کو پایا
پیدا ہے کہ ہے وہ جنس قسم اوّل
بزار نے آخر کو جسے دکھلایا

امید رکھی بہت میں یاں جس تس سے
مجھ کو نہ کیا پہ زور کسو نے مس سے
کہلا کے ترا یہ دکھ میں اپنا جا کر
کس سے کہوں یارسول اکرمؐ کس سے (۱)

۱۔ کلیاتِ قائم، جلد دوم، ص:۳۰

جوشش عظیم آبادی (م ۱۸۰۱ء)

لے ساری خدائی کی خبر زہرِ گلیم
انعام یتیمی میں کرے درِّ یتیم
احمد ہے بلا میم محمد میرا
ذات اس کی بلاشبہ و شک ذاتِ کریم

ہر چند محمد ہے مدینہ کا مقیم
بیٹھا ہوا تسخیر کرے ہفت اقلیم
اعجاز کروں اس کا بیاں کیا جوشش
جو ایک اشارے میں کرے مہ کو دو نیم

کرتا جو ہوں شاہِ دو جہاں کی تعریف
سن کر نہ کرو میری زبان کی تعریف
حیراں ہیں ملک بشر سے کیونکر ہوئے
پیغمبر آخر الزماں کی تعریف[۱]

۱۔ دیوانِ جوشش، ص:۲۲۳

راسخ عظیم آبادی (م۱۷۵۶ء-۱۸۲۲ء)

جس عاصی پہ تیری نظر رحمت ہو
کب روزِ قیامت کی اسے دہشت ہو
تو برسرِ بخشش ہو تو پھر فاسق بھی
بے پرسشِ جرم داخل جنت ہو

ہے ختمِ رُسل کی شان کیا شان عظیم
اُمت کا نوازندہ کریم اور رحیم
گوہر تو بہت درجِ رسالت میں ہیں
پر منتخب ان میں ہے یہی دُرِ یتیم(۱)

۱۔ دیوانِ راسخ عظیم آبادی، ص:۲۷۲

﴿مسدس﴾

میر اسد علی خاں تمنا(م ۱۷۸۰ء)

یارسول مدنی قدس جناب احمد　　　یا نبی عربی شاہِ شفاعت مسند
کچھ نہ ہوتا تو نہ ہوتا، تو ازل تھا نہ ابد　　　شاہد حال ہے لولاک ترا یا سید
تخت وحدت کی تری ذات ہے شاہا وارث

وہ پیمبر ہے تو ہیں جس کے سبھی حلقہ بگوش　　　سب نے مانا تری امت کی تمنا کا جوش
عقل کل نے تری درگاہ سے پایا ہے ہوش　　　تھے نبی اتنے ہوا کون ترا دوش بدوش
یا نبی مہر نبوت کا ہے تنہا وارث[۱]

۱۔　میر اسد علی خاں تمنا، حیات اور ادبی کارنامے، از مہر جہاں، حیدر آباد انڈیا، ۱۹۸۴ء، ص:۱۹۷

میر محمدی بیدآر (م ۱۷۹۴ء)

بھیجو اس شاہ پر درود و سلام   کہ ہے فخر جہاں وہ خیرِ انام
ہادمِ کفر و بانیِ اسلام   سید الانبیا محمد نام
صبح رویش زو الضحیٰ اوضح
منشرح صدرش از الم نشرح

ھادیِ گمرہانِ بدکردار   شافعِ بندگانِ عصیاں کار
حامیِ دین قاتلِ کفار   سرورِ خلق احمد مختار
نقدِ یثرب سلالۂ بطحیٰ
اُمیِ لوح خوانِ ما اوحیٰ

نہ ہوا تھا وجودِ لوح و قلم   نہ مصور تھی صورتِ آدم
اوّل فکر موجد عالم   خاتم الانبیا شفیع اُمم
قائد خلق بالھدی والعون
شاہ لولاک ما خلقت الکون

ہیں جو ارض و سما و مافیھا   وہ ہوا باعث ان کے ہونے کا
ہوویں گر آ کر جمع سب اعدا   اس حبیبِ خُدا کو خوف ہے کیا
جعبۂ تیر ما رمیت کفش
چشم تنگ سیہ دالاں ھدفش

اس سوا اور کچھ نہ تھا مقصود   کہ رہے آنکھوں آگے حق موجود
چشم مشتاق جلوہ گاہِ شہود   کیوں نہ ہوں ناظرِ جمالِ ودود

کحل ما زاغ سرمۂ بصرش
ماطغیٰ وصفِ پاکیِ نظرش

مظہر خاص پاک ذات احد   مقبل لم یلد و لم یولد
واقفِ رمز راز ہائے صمد   لقب برگزیدہ اش احمد

پایۂ ارتقاش ثم دنیٰ
ذرۂ اعتلاش او ادنیٰ

قرب معراج یوں تو سب کو ہوا   پر نہ وہ مرتبہ جو اس کو دیا
پھر کے واں سے جو ہر نبی سے ملا   دیکھتے ہی اسے یہ سب نے کہا

یا نبی اللہ السلام علیک
انما الفوز و الفلاح لدیک

جن و انسان کیا ملائک و حُور   کوہ و اشجار کیا وحوش و طہور
اس کی مداحی سب کو ہے منظور   پر نہ اس میں کسو کا ہے مقدور

وصفِ خلق کسے کہ قرآن شد
خلق را نعت او چہ امکاں است

مدحِ استادِ شاعرانِ جہاں   سب ہوئے اس میں عاجز و حیراں
مجھ سے کیا ہوئے وصف اس کا بیاں   ہو جو ممدوحِ حضرت سبحان

لا جرم معترف بہ عجز و قصور
می فریسم تحیتی از دور

موردِ وحی مصدر اعجاز طائر قدس لا مکاں پرواز
کعبۂ مدعائے اہلِ نیاز میں گدا وہ شہِ غریب نواز

لست اہدی سوي الصلوٰۃ الیہ
یا مفیض الوجود صل علیہ

حسنِ یوسف تو واقعی تھا خوب کہ ہوا نورِ دیدۂ یعقوب
تو ہے پر ساری خلق کا مطلوب اور حق نے کیا تجھے محبوب

اے دل و دیدہ خاکِ نعلین است
رشتۂ جاں شراک نعلین است

خلق کے واسطے ہے تیری ذات کعبۂ امن قبلۂ حاجات
حشر کے روز تاکہ پاؤں نجات متوقع ہوں اے کریمِ نجات

لب بہ جنباں پئے شفاعت من
منکر در گناہ و طاعت من

نفس شیطان نے دے مجھے بالا گل ولائے گناہ میں ڈالا
کون میرا نکالنے والا تجھ سوا یہاں سے اے شہِ والا

رحم کن برمن و فقیری من
دستدہ بہرِ دستگیری من

ہے یہ دنیا تمام آفت گاہ نظر آتی نہیں ہے جائے پناہ
جز ترے در کے یارسول اللہ سخت مضطر ہوں حسبتاً للہ

سویم افگن ز مرحمت نظرے
باز کن برو زخم ز لطف درے

مرتضیٰ شیر بیشۂ قدرت نافعِ دین و قاطع بدعت
فاطمہؓ زیبِ حجلۂ عزت گوہر درجِ عصمت و عفت
آں مشرف بہ لحمک لحمی
ایں مشرف بہ بضعۃ منی

آل و اولاد و سیّد الثقلین راحتِ قلب و قرۃ العینین
سرورِ برگزیدگاں حسنین ہر دو محبوبِ خالقِ دارین
حب ایشاں دلیل صدق و فاق
بغضِ ایشاں نشاں بغض و نفاق

زین عباد باقر و جعفر عالمانِ علومِ پیغمبر
خسروانِ ولایتِ حیدر وارثانِ شہادتِ اکبر
قربِ شاں پایہ و علو و جلال
بُعدِ شاں مایہ غنود و ضلال

موسیٰ کاظم امام رضا مہر و ماہ سپہر مجد و علا
شہ دنیا و دیں نقی کہ ہوا مستفید اس سے نام جود و سخا
برنکو سیرتاں و بدکاراں
دست او ابر موہبت باراں

ذات پاکِ نقی ہے فخر زمن متصف عسکری بہ خلق حسن
سایۂ لطفِ ابروِ ذوالمنن مہدی دیں محمد ابن حسن
ہست ذاں معتبر بلند آئیں
کہ گزشتہ زاوج علیین

نائبِ دینِ احمد مختار ہیں یہ جملہ ائمۂ اطہار
کچھ کہے کوئی اس میں ہوں ناچار اعتقاد اپنا ہے یہ ہی بیدار
دوستدارِ رسول و آل و یم
دشمنِ خصمِ بدشکالِ و یم
اہلِ تحقیق جامی مقبول کہہ گیا ہے نکتۂ معقول
گر بود رفض حبِ آلِ رسول با تولا بخاندانِ بتول
کیش من رفض دین من رفض است
رفع من رفض و ما بقی خفض است(۱)

——دیگر——

امیرِ عرب شاہ یثرب مقام امام رُسل صدرِ بیت الحرام
معزز مشرف باوصفِ تمام علیہ الصلوٰۃ علہ السلام
شفیع مطاع نبی و کریم
قسیم ، جسیم ، نسیم وسیم
ملائک سپہ شاہ گردوں مسیر پناہ خلائق نبوت سریر
باسرار مکتوم روشن ضمیر باشمیرِ اسلام آفاق گیر
کریم السجایا جمیل الشیم
نبی الورایا شفیع الامم

۱۔ دیوانِ بیدارؔ، مرتبہ: جلیل احمد قدوائی، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۷ء، ص ۱۱۵

اگرچہ مقرب رسل ہیں سبھی　　پہ تجھ کو تقرب ہے کچھ اور ہی
تو پہونچا جہاں واں نہ پہونچا کوئی　　تری ذات عالی ہے وہ یا نبی

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد
زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

پیمبر کے مانند وہ پاک ذات　　مقدّس مطہر معلّی صفات
اگر چاہے مردہ کو بخشے حیات　　کرے دم میں وا عقدۂ مشکلات

علی ولی شیر پروردگار
سپہ دار دیں شاہ دلدل سوار

گنہ میرے گو ہیں عقوبت قریں　　سزوار رحمت ہیں پر مجرمیں
کہیں ہیں تجھے اکرم الاکرمیں　　ترے لطف سے کچھ تعجب نہیں

خدایا بحق نبی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنم خاتمہ

حسن سرور لشکر اولیا　　حسین ابن حیدر شہِ اتقیا
غلام ان کا ہوں میں برا یا بھلا　　وسیلہ ہے میرا یہی اے خدا

اگر دعوتم رد کنی در قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول

عمل نامہ میرا ہے گرچہ سیاہ　　ولے کیا ہے بیدار خوفِ گناہ
محمد سا ہے شافع دیں پناہ　　حبیبِ خدا مغفرت دست گاہ

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیش رو[1]

۱۔ دیوانِ بیدارؔ، مرتبہ: جلیل احمد قدوائی، ص۱۱۸

مرزا محمد علی فدوی (م ۱۷۹۵ء)

غبار دل میں رکھے بے عبث یہ چرخ کہن　　　کوئی خیال میں لایا ہزار ہو دشمن
کئے ہے کون اسے اپنے سر پہ سایہ فگن　　　نہیں ہے خوف ذرا کچھ کفیل رنج و محن
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن

علیم علمِ الٰہی ندیم حضرت حق　　　قیام عرش معلی بنائے ہفت طبق
بہار گلشن ہستی جہان کی رونق　　　فتوح باب موالید و مصدر و مشتق
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن

ہر ایک مجھ سے کرے ہے سوال آ کر سب　　　حواس خمسہ کو ہے یاں قیام کس کے سبب
سوا انہوں کے مجھے اور کوئی یاد ہے کب　　　یہی زبان سے نکلا کسی نے پوچھا جب
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن

خدا کے واسطے زاہد نہ زور ہم کو ڈرا　　　خدا ترا ہی ہے کیا اور کا نہیں ہے خدا
بہشت میں تجھے لیجائے یہ عمل تیرا　　　بلا کرے مری کچھ غم شفیع روزِ جزا
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن

الٰہی جس میں ترا دوست اور تو ہو خوشی　　　وہی ہے دین مرا وہ ہی آرزو میری
بھلی لگے کسی کو یا یہ میری بات بری　　　کہاؤں ہوں میں یہاں جس جناب کا فدوی
محمد است علی فاطمہ حسین و حسن(۱)

۱۔　مرزا محمد علی فدوی، عصرِ حیات، شاعری و کلام، سید محمد حسنین، اردو سوسائٹی، پٹنہ: ۱۹۵۶ء، ص: ۴۷۸-۴۷۹

میر تقی میرؔ (م۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

مسدس در نعت سرورِ کائنات ﷺ

جرم کی کھو شرمگینی یارسول　　اور خاطر کی حزینی یارسول
کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول　　تیری رحمت ہے یقینی یارسول
رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

لطف تیرا عام ہے کر مرحمت　　ہے کرم سے تیرے چشم مکرمت
مجرمِ عاجز ہوں کر ٹک تقویت　　تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت
رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

کیا سیہ کاری نے منھ کالا کیا　　بات کرنے کا نہیں کچھ منھ رہا
رحم کر خاکِ مذلت سے اٹھا　　میرے عفوِ جرم کی تخصیص کیا
رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

اب ٹھہرتا ٹک نہیں پائے ثبات　　دستگیری کر کہ پاؤں میں نجات
جرم کیا ہیں میری کتنی مشکلات　　ہے کفایت ایک تیری التفات
رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

دہر زیرِ سایۂ لطفِ عمیم خلق سب وابستۂ خلقِ عظیم
تجھ سے جویائے کرم عاصم اثیم سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم

رحمۃ للعالمینؐ یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینؐ یارسولؐ

ہو رہے ہیں ہم جو دوزخ کے حطب سر پہ یہ اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم عنایت تجھ سے سب تجھ سوا کس سے کہیں احوال اب

رحمۃ للعالمینؐ یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینؐ یارسولؐ

نیک و بد تیرے ثنا خوان ہمم لطف تیرا آرزو بخشِ اُمم
ملتفت ہو تُو تو کاہے کا ہے غم تو رحیم اور مستحقِ رحم ہم

رحمۃ للعالمینؐ یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینؐ یارسولؐ

روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطرار زیرِ لب کہتا ہوں یہ میں بار بار

رحمۃ للعالمینؐ یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینؐ یارسولؐ

سبز برپا ہو گا جب تیرا نشاں آفتابِ حشر میں بہرِ اماں
ہووے گی انواعِ خلقت جمع واں کیوں نہ ہو سایے میں اس کے دوجہاں

رحمۃ للعالمینؐ یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینؐ یارسولؐ

رُوسیاہی جرم سے ہے بیش تر		رو سفیدوں میں خجل مجکو نہ کر
ایک کیا آنکھیں ہیں میری ہی اُدھر		تجھ سے راجع بے بصر اہلِ نظر

رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

کچھ بھی جو ہیں واقفِ راز و نیاز		عام تجھ انعام پر کر چشم باز
شعر یہ مشہور سب وے دلگداز		پڑھتے ہیں جائے دعا بعد نماز

رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں		گہہ قرآں خواں میر تھے گہہ سبحہ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں		اب یہی ہے ہر زماں وردِ زباں

رحمۃ للعالمینی یارسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یارسولؐ (۱)

۱۔ کلیاتِ میرؔ، ص۷۲۰

حافظ عبدالرحمٰن خان احسان (م۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

مسدس در منقبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ و در منقبت محمد مرتضیٰ علی صلی اللہ علیہ گوید

مصطفیٰ و مرتضیٰ کی فرض ہی مجھ پر ثنا
وہ مرا حاجت روا اور یہ مرا کل آسرا
جان تن سے جس گھڑی ہونے لگے یارب جدا
دمبدم نکلے مرے منہ سے یہی اس دم صدا
یا محمدؐ یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ

کفر سے بیماری سے اور فقر سے رکھتا ہوں بیم
صحت وحشمت ہو یہاں جنت میں وہاں ہوں میں مقیم
ہر دعا مقبول میری یا غفور و یارحیم
یا قریب و یا مجیب و یا سمیع و یا علیم
یا محمدؐ یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ

آل اور اولاد میری صاحبِ ایمان ہو
ناصرِ اسلام ہو ہم حافظِ قرآن ہو
اور مجھ پر مشکلِ جاں کندنی آسان ہو
ہم عذابِ قبر سے محفوظ یہ احسان ہو

یا محمدؐ یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ[۱]

۱۔ کلیات احسان، ص۱۹۶

مخمس

ولی دکنی (م ۱۷۲۰ء-۱۷۲۵ء)

تیرے قدم کے فرش رہ میرے نین سب دن اچھو
تجھ نقش پا مجھ سیس کا حب الوطن سب دن اچھو
مجھ شاہ کے یوسف کوں یہ چاہِ ذقن سب دن اچھو
غنچہ نمط مجھ باس کا دل پیرہن سب دن اچھو
مجھ نین کے نعلین میں تیرے چرن سب دن اچھو

تجھ نورکی بخشش ستی یہ سور ہور چندا ہوا
تیری زلف کی باس سوں یہ مشک ہور عنبر ہوا
یک پل میں تیرا مرتبہ افلاک سوں برتر ہوا
پیاسے محباں دیکھ کر تو ساقیٔ کوثر ہوا
فردوس سوں بھی بڑھ کے ہے یہ انجمن سب دن اچھو

یٰسین و طٰہٰ والضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں
واللیل اور والشمس ہے تجھ زلف و مکھ کے دھیان میں
افلاک سب پیدا ہوئے لولاک کے الحان میں
تجھ یاد سوں راحت اچھو ہر موموناں کی جان میں
تیرے چرن کی خاک سوں روشن نین سب دن اچھو

تجھ گل نے دل جا کر دیا گلزار میں ہر گل کے تیئں
پیچوں میں پھانسا زُلف نے ہر حور کی کاکل کے تیئں
تجھ زُلف و مکھ نے مبتلا کیتے ہیں جزو ہور کُل کے تیئں
سایہ سوں اپنے کر دیا پیدا گل و سنبل کے تیئں
اے رشک گلزارِ ارم تیرا چمن ہر دن اچھو

دل کی صدف میں کر جتن تجھ عشق کے گوہر رکھوں
سینے کے معدن کے بھتر تجھ نیہہ کا جوہر رکھوں
دائم سخن کے لب اُپر تجھ قول کی شکر رکھوں
ہر دم طبع کی سیس پر تجھ یاد کا افسر رکھوں
تیری محبت کا رتن دل میں جتن سب دن اچھو

مجمر جلانے کا حکم خورشید سوں سب نے دیا
ہر رات مہ کے ہاتھ میں تو نور کی مشعل دیا
تاروں نے موتی کے طبق پائے ہیں تجھ سوں اے پیا
تیرے کرم کے ہاتھ سوں موسیٰ یدِ بیضا لیا
ہمدم عیسیٰ سوں یو امرت بچن سب دن اچھو

تجھ باج مخصوصِ جہاں وے ذات عالی چار ہیں
اس اُمت غمناک کے وے ذات عالی چار ہیں
جن کوں محبت ان کے نئیں بے شک وہ ناہنجار ہیں
جو ان سوں روگرداں ہوئے دونوں جہاں میں خوار ہیں
ان کی محبت کا ولیؔ دل میں وطن سب دن اچھو(۱)

۱۔ کلیاتِ ولی، ص:۳۳۴

حسرت عظیم آبادی(۱۷۲۷ء-۱۷۹۵)

نعت

جس کا کھلا نہ مرتبہ حضرت جبرئیل پر
ہیں گے درود خواں مَلک اس کے رُخِ جمیل پر
تشنہ لبوں کو دے برات کوثر و سلسبیل پر
قافیہ تنگ راہ میں اس کی ہے ہر دلیل پر
صل علی محمد ، صل علی محمد

اُمّی عالم العلوم ناسخِ نسخائے پیش
جن نے بتایا تیر سا راست طریقِ دین و کیش
نطقِ لطیف اس کا تھا مرہم سینہ ہائے ریش
خلق میں انبیا سے پیش مرتبہ اس کا سب سے بیش
صل علی محمد ، صل علی محمد

طے کیا راہِ فقر کو سنگ شکم سے باندھ کر
گنجِ قناعت اس کو تھا گنج گہر سا در نظر
سنگ مخالفوں سے کھا ، ہنس کر دیا عیوض گہر
جس کے طفیل سے ہوئی خلقتِ جن و البشر
صل علی محمد ، صل علی محمد

جرم قمر کے تئیں کیا جس کی انامِلوں نے شق
صبح صفا و صدق کا سرخ سرخ اس کا تھا شفق
اس کے ضمیر پاک پہ کشف تھا سر نُہ طبق
ختم رُسل خطابِ خاص شان اسی کی ہے بحق

صل علی محمد ، صل علی محمد

احمد املح عرب عشق خدا کا تھا حبیب
کس کے تئیں یہ مرتبہ اس کے سوا ہوا نصیب
خلعتِ قُرب حق کا تھا باب وہ قدِّ جامہ زیب
ملتجی اس کے در کے ہیں لے کے غنی سے تا غریب

صل علی محمد ، صل علی محمد

آدم اگرچہ پیشتر اس سے تھا ممکن الوجود
پرتوِ نور اس کا تھا اس کا بھی باعثِ شہود
ہو ہے سپاہ پیش رو شاہ کرے ہے پس درود
صبح دوم نخست سے دیکھو رہے ہے کیا نمود

صل علی محمد ، صل علی محمد

بحرِ الوہیت کا تھا ساحلِ علم اور یقیں
مہرِ نبوت اس کی تھی مردمِ چشم نورِ دیں
زیرِ نگینِ حکم ہیں اس کے زماں اور زمیں
ہو نہ ہوا ہے دوسرا اس سا دو کون میں مکیں

صل علی محمد ، صل علی محمد

آگ ہوئی خلیل پر لطف اسی کے سے چمن
صاحبِ دم اسی سے تھا عیسیٰ آسماں وطن
مقتبس اس کے نور کا تھا ارنی کا نعرہ زن
بازوئے زور نور بخش تھا وہی دستِ بُت شکن

صل علی محمد ، صل علی محمد

جس کے حریمِ قدس کے حلقۂ در ہیں نو فلک
جس کے ہوائے قرب میں بال فشاں رہیں ملک
اس کا ملیح رنگ تھا نقدِ صفا کے تیئں محک
بولے ہیں اس کی نعت میں لے کے سما سے تا سمک

صل علی محمد ، صل علی محمد(۱)

ا۔ دیوانِ حسرت عظیم آبادی، مرتبہ ڈاکٹر اسما سعیدی، ترقی اُردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۶ء، ص:۴۵۵-۴۵۶

نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء-۱۸۳۰ء)

منقبت جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ　　سر گروہِ مسلمیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ
حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ　　قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

آسماں تم نے شبِ معراج کو روشن کیا　　عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دی نورِ ضیا
رنگ و بو جنت کے گلشن کی بڑھائی برملا　　جس جگہ وہمِ ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

ہے تمھاری پشت پر مہرِ نبوت کا نشاں　　اور تمھارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں میں عیاں
معجزے جو ہیں تمھارے ان کا کب ہووے بیاں　　کشورِ اعجاز جو ہے اس کے تم باعزّ و شاں
صاحبِ تاج و نگیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

تم ختم الانبیا حق بھی حبیب اپنا کہے　　اور سدا روح الامیں آوے ادب سے وحی لے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سے ملے　　ہے نبوت کا جو اقدس بحر بس اس بحر کے
گوہر یکتا تمھی ہو یا محمد مصطفیٰؐ

ہے جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن　　جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے جتن
باعث خلق ان کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن　　اور اک مطلع پڑھوں میں عین سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

تم ظہور اوّلیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ تم ہی خیر الآخریں ہو یا محمد مصطفیٰؐ
ہمدم جان آفریں ہو یا محمد مصطفیٰؐ وجہِ قرآنِ مبیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ
نزہتِ بُستانِ دیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

احمدِ مختار ہو تم یا شہِ ہر دوسرا ہے تمھارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا دیر اک پل درمیاں آئے نہیں ممکن ذرا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں دیکھتا ہے اس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
راز تو خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہِ دیں اور جو کچھ کہ ہیں اسرار رب العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے کیا ہوا لیکن دل اس اُمید پہ مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرت خیر الورا سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمھاری ذات والا منبعٔ لطف و عطا کیا نظیر اک اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمد مصطفیٰؐ(۱)

۱۔ کلیاتِ نظیر، مرتبہ: عبدالباری آسی، مطبع تیج کمار وارث نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء، ص:۳۸۱

غزلیات

قاضی محمود بحری (م ۱۶۸۴ء-۱۷۲۴ء)

محمد گر مددگار ہو ہمارا
سکل دکھ درد رد ہو گا ہمارا

اگر صحرا رہو مل دام ہور دد
او سارا دام دد ہو گا ہمارا

اگر عالم سگل آگاہ عدو ہو
او اللہ الصمد ہو گا ہمارا

کرم اس کا دس آگا کم ہو ہر گاہ
اگر کولا اسد ہو گا ہمارا

موحد کا معما کھول محمود
او احمد گر احد ہو گا ہمارا(۱)

ا۔ کلیاتِ بحری، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حفیظ سیّد، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء، ص: ۱۲۷

فراقی بیجاپوری (۱۶۸۵ء-۱۷۳۱ء)

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمدؐ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
عبث خُوباں کی گلیوں میں عمر توں صرف نہ کرائے دل
مدینے کی زیارت کوں گیا ہوتا تو کیا ہوتا
ارے مجنوں ہوا بدنام توں لیلیٰ کو دل دے کر
اگر میرے نبیؐ کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا
ازل کی دین میں یا رب اگر مفلس بھکاری ہوں
نبیؐ کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا
منجہ اس مکتب مجازی میں جو عشق استاد نا ہوتا
تو میرے دل کی کثرت کا سبق برباد نہ ہوتا
نظر ہے علم منطق ہور معانی میں فراقی کوں
اگر علمِ حدیثِ مصطفیٰ ہوتا تو کیا ہوتا(۱)

۱۔ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اُردو، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص:۳۴۶

شیخ ابولفرح محمد فاضل الدین بٹالوی(۱۶۶۰ء-۱۷۳۸ء)

(۱)

ناہیں مراچھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبیؐ
ہے رین دن غفلت بڑی انظر بحالی یا نبیؐ
اس فضل سوں راکھو مجھے من عزل و درجات الصفا
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبیؐ
میں ہوں خرابی میں پڑا کا لطفل سوٗ الخلق حیف
اس غم ستی چھاتی سڑی انظر بحالی یا نبیؐ
اس شرم سوں مجھ مکھ نہیں حتیٰ اری ضوء الصفا
ہے مرگ بھی سر پر کھڑی انظر بحالی یا نبیؐ
برقع شریعت سوں رکھو حتی اکون بنورکمؐ
اس عشق سوں کر پھُل جڑی انظر بحالی یا نبیؐ
رو رو لکھوں رو رو بھروں قصاً بقصاً عاصیا
افواج عصیاں سوں جھڑی انظر بحالی یا نبیؐ
راکھو تمہیں راکھو تمہیں لی لیس غیرک یا ملاذ
ناہیں مراچھٹ تم ستی انظر بحالی یا نبیؐ
بھولا ہوں میں بخشو تمہیں لاتا خذونی بالوزر
جب محی الدیں بخشش کری انظر بحالی یا نبیؐ
فاضل پکارے رین دن اشفع شفیع المذنبیں
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبیؐ[۱]

ا۔ پنجاب میں اُردو، حافظ محمود شیرانی، انجمن ترقی اُردو، لاہور، س ن، ص:۲۴۳

(۲)

دیکھو لوگو سبھی جگ پر محمد ہے محمد ہے
سرو سرتاج وہ سرور ہے محمد ہے محمد ہے
انبر دریا و سبھ دھرتی کرم سیں خود نوازی ہیں
اٹھا پلکاں دیکھو بھیتر محمد ہے محمد ہے
تمامی اولیا مومن پکاریں دین و دنیا موں
ہمارے بخت کا اختر محمد ہے محمد ہے
نوازش خلق نے پائی ہو یا جب چاند وہ روشن
ارے لوگو دیکھو پرگٹ محمد ہے محمد ہے
دکھو خورشید سب تارے سبھی وہ انبیا مرسل
کہے دل سوں صفا انور محمد ہے محمد ہے
عرش اور فرش پر دیکھو جو محبوب رب کا ہے
تمامی دین دنیا موں محمد ہے محمد ہے
تمامی ورق ہستی ہی پڑھے ہیں جان و دل سوں میں
خدا کے سِرّ کا دفتر محمد ہے محمد ہے
اٹھا پلکاں دیکھو دل موں نہیں جز مصطفیٰ کوئی
ابوبکر و عمر عثماں محمد ہے محمد ہے
ملائک جِن سبھی کہتے مبارک نام ہے پایا
علی اور فاطمہ زہرا محمد ہے محمد ہے

شریعت فیض سوں کا جی طریقت معرفت چھا جی
حقیقت حق سبھی گھر گھر محمد ہے محمد ہے
تمامی دین صاحب سوں ہویا جب چاند روشن جگ
کرم اپنا دھنے دھنپت محمد ہے محمد ہے
ہویا ہے جان و تن میرا ستارہ نور روشن کا
گئی ظلمات جاں سوں سب محمد ہے محمد ہے
لگی ہے عشق کی برچھی کہوں میں خلق سوں ظاہر
ارے لوگو دیکھو ہر جا محمد ہے محمد ہے
احد احمد تمھیں دیکھو کرم سیں جب نوازا ہے
خدا کے فیض کا مظہر محمد ہے محمد ہے
حسین الحسن زین العابدین دیکھو مبارک نام
منور نور سب بہتر محمد ہے محمد ہے
نواز و فضل کر اپنا طفیل شاہ محی الدین
کہے فاضل لکھو دل پر محمد ہے محمد ہے(۱)

۱۔ مضمون: ''پنجاب میں اردو'' از قاضی فضل حق، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۳۳ء، ص: ٦۴

شیخ نور محمد (م ۱۷۶۲ء)*

دیوے خدا توفیق گر تم کا اسم ہر دم پھڑوں
تجھ اسم اعظم اسم ہے مشہور ہے عالم بھیتر
بوجھا ہے کر تحقیق میں عالی ترے درجات ہے
صدقہ علی حسنین کا آفرق مجھ کے قدم دھر
عصیاں سوں میں غرقاب ہوں نیکی نہیں مجھ سے ہوئی
تجھ بار ہی میں آگرا ہوں ناتواں بے بال و پر
کر کر تصدق نا نو کے باطن مرے کی لے خبر
رکھ شاد دنیا دین موں مجھ نفس شیطاں کا نہ ڈر
بن دیکھنے تجھ اے شاہا زندگی مری برباد ہے
چہرا مبارک مجھ دکھا تجھ سوں فدا دل جان و سر
افضل سائیں نائب ترے میرے پھڑے نے دست جی
برکت اونہوں کے نام کی مجھ سیں گوا ہر شور و شر
میں نور عاجز رات دن ہے ورد تیری مدح کا
واصل خدا کا کر مجھے بے رنج بے محنت ضرر(۱)

---

* ابو الفرح شیخ فاضل الدین بٹالوی کے مرید تھے۔ شیخ نور محمد کا سن پیدائش معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اوّل، ص:۶۴۸

انعام اللہ خاں یقیںؔ (م ۱۷۵۵ء)

کون کر سکتا ہے اس خلاقِ اکبر کی ثنا
نارسا ہے شان میں جس کے پیغمبر کی ثنا
سر بر آ اس منھ سے ہو سکتی ہے کب نعتِ رسولؐ
یا ابوبکر و عمر ، عثمان و حیدر کی ثنا
یہ زباں قابل ہے کب اس بات کے جو کیجیے
حضرت زہرا کی اور شبیر و شبر کی ثنا
نام حمد اور مدح کا لینا مجھے انصاف نہیں
کی ہے ساری عمر ترکانِ ستم گر کی ثنا
جوں نماز اپنے پہ صبح و شام لازم کر یقیںؔ
حضرت استاد یعنی شاہِ مظہر کی ثنا(۱)

۱۔ دیوانِ یقین، مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ، مطبع مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: ۱۹۳۰ء

غلام قادر شاہ (م ۱۷۶۲ء)

سب دیکھو نور محمد کا سب دیکھو نور محمد کا
سب بیچ ظہور محمد کا سب دیکھو نور محمد کا
وہ نقطہ علم ازل کا ہے وہ اوّل ہر اول کا ہے
وہ مجمل ہر مجمل کا ہے سب دیکھو نور محمد کا
وہ منشا سب اسما کا ہے وہ مصدر سب اشیاء کا ہے
وہ سر ظہور خفا کا ہے سب دیکھو نور محمد کا
کہیں ظاہر ہو مشہور ہویا کہیں باطن ہو مستور ہویا
کہیں ناظر ہو ، منظور ہویا سب دیکھو نور محمد کا
کہیں کلمہ حق کا نور اللہ کہیں بیچ پنگوڑے عبداللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ سب دیکھو نور محمد کا
کہیں شمع کہیں پروانہ ہے کہیں دانا کہیں دیوانہ ہے
کہیں یار کہیں بیگانہ ہے سب دیکھو نور محمد کا
وہ آپ ہی آپ عیاں ہویا کہیں کثرت کا ساماں ہویا
ہر شان ہو وہ ہر شان ہویا سب دیکھو نور محمد کا
کہیں غوث تمام کہایا ہے کہیں مولا نام دھرایا ہے
کہیں عبد غلام کہایا ہے سب دیکھو نور محمد کا
کہیں اسم صفت سوں ساتر ہے کہیں اس صفت میں ظاہر ہے
کہیں بھیتر ہے کہیں باہر ہے سب دیکھو نور محمد کا
وہ غیب سوں آ اعیان ہویا پھر علموں جا نہان ہویا
پھر عین موں آ اکوان ہویا سب دیکھو نور محمد کا
کہیں روح مثال کہایا ہے کہیں جسم موں جا سمایا ہے
کہیں حسن جمال دکھایا ہے سب دیکھو نور محمد کا[۱]

۱۔ بحوالہ ڈاکٹر ریاض مجید، اُردو میں نعت گوئی، ص:۲۶۹-۲۷۰

سراج اورنگ آبادی(۱۷۱۵ء-۱۷۶۳ء)

نام تیرا مطلع فہرست ہے دیوان کا
ہے زباں کا ورد خاصا اور وظیفہ جان کا
جی سیں 'یبقیٰ وجہ ربک' کی سدا سمرن کوں پھیر
دور کر من سیں خیال من علیھا فان کا
یا محمد تجہ کرم سیں ہوں سدا امیدوار
جلوۂ ایمان دے اور بھید کہہ انسان کا
توں احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پایا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآں کا
کر شرابِ ہوش سیں بے ہوش مجہ کوں یا حبیب
دے مجھے بھر کر پیالہ نشۂ عرفان کا
جان جانے بن نہیں ہے جان جاناں کا وصال
سِرّ کوں وے پایا جو سَر غازی ہے اس میدان کا
اے سراج اپنی خودی کوں بیخودی میں محو کر
شغل جاری رکھ ہر ایک دم میں ھوا الرحمٰن کا[1]

۱۔ کلیاتِ سراج، ص:۱۲۵

ابوالحسن قربیؔ (۱۷۰۶ء-۱۷۶۹ء)

(۱)

ہے احمد و محمد سرخیل انبیا کا
بے میم احد کو آیا ہے عین اور خدا کا

وہ شاہ اگر عرب ہے بے عین ، عین رب ہے
جو کچھ کہے سو سب ہے در لجۂ صفا کا

ہے ذات اس کی مطلق اوچ عبد ہور وہی حق
حق سوں کِتا ہوں یو حق نہیں یوں بچن ریا کا

اوچ آسماں زمیں او بحر و دُرِ ثمیں او
در ہر مکاں مکیں او ، کل باغ اصطفا کا

حسنِ ازل کا مظہر بے واسطہ وہ سرور
ہر حسن جگ میں یکسر پرتو ہے اس بہا کا

او افضل البشر ہے وہ شافع حشر ہے
ہر جا وہی نشر ہے سالار اصفیا کا

جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا
ہے اس کے مکھ کی شیدا او اصل ہے ولا کا

شاہِ جہاں وہی ہے نور عیاں وہی ہے
مقصودِ جاں وہی ہے عشاقِ بے نوا کا

جو چیز ہے جہاں میں جو نام ہے دہاں میں
جو ہے عیاں ، نہاں میں ، وہ نام مصطفا کا

کیا عشق کہنہ و نو اس عشق کا ہے پرتو
ہے خلق میں تگ و دو اس عشق اس ہوا کا

قربیؔ تُو بے نوا ہے دل میں ترے ہوا ہے
قرباں ترے ہوا ہے دے قرب اسے خدا کا[۱]

۱۔ دیوانِ قربیؔ، مرتبہ: پروفیسر سید محمد فضل اللہ صاحب، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدر آباد دکن، ۱۹۶۴ء، ص:۳۵

(۲)

ہے محمد حبیب مولا کا
ہے ازل سے قریب مولا کا
کنہ اس کا نہیں کسے معلوم
او ہے سرِ غریب مولا کا
افضل الانبیا محمد ہے
سب پو فضل عجیب مولا کا
قاف تا قاف سب مطیب ہے
اس سوں آتا ہے طیب مولا کا
دینِ مطلق کی دعوتِ حق میں
اوہے ہر جا مجیب مولا کا
دفع کرنے شرارۂ دوزخ
ہے او مفضل نقیب مولا کا
نُہ کے آداب اس سوں سِیک تمام
ہے وہ سرور ادیب مولا کا
رغبت اس کی مطابعت کا کر
مصطفیٰ ہے رغیب مولا کا
گلشنِ وحی میں وہ افصح ہے
نغمہ زن عندلیب مولا کا
بوج اس سوں حساب رشتے کا
او ہے قربیؔ حبیب مولا کا[1]

ا۔ دیوانِ قربی، ص:۳۶

(۳)

عین اعیان دو عالم ہے محمد مصطفا
مہرِ موجِ استقامت ماہ برجِ اصطفا
پرتو اس کے ہے حقیقت کا یو سب ذرات خلق
آفتاب چرخِ وحدت کا ہے عکسِ حق نما
عبد اوہی رب وہی، سب وہی ہے جگ منے
اس کے ہیں اطلاق کے درجات اشیاء بے خطا
سب مراتب داخلی کے ہیں مراتب خارجی
داخلی کوں خارجی ہے آرسی اے باصفا
عین ہر ذرہ محمد فی العیاں دیکھے گا تو
گر تو اشیا کی حقیقت کوں کرے گا سامنا
عینِ اشیا غیریت کے سات بُوج ایقان سوں
عین جوں ہے غیر دیں ہے خلق سوں او مجتبیٰ
آسماں اوہے زمیں او بحر و بر معدن وہی
دُر وہی گوہر وہی بُجہ توں وہی ہے جابجا
ہر ذرہ احمد ہے جگ سوں بوج احمد آپ کوں
اب جہاں میں تو اَنا احمد کا نقارہ بجا
تن محمد ، جاں محمد صورت و معنی وہی
یو معما ہے سمج کامل سوں اس کا مدعا
نہ کی لذت سوں محمدؐ نام کر ہر چیز کا
ہے حقیقت میں محمدؐ عین ہر شے اے افنا
ملتجا جس چیز کوں جگ میں کرے گا آپنا
توں یقیں سوں بوج تیرا ہے محمد ملتجا
دانشِ مطلق کا منبع یا محمد تونچہ ہے
قربیؔ قرباں کو تیرے علم مطلق کر عطا(۱)

۱۔ دیوانِ قربی، ص:۳۶

سیّد عبد الولی عزلت سورتی (۱۶۹۲ء-۱۷۷۵ء)

آغازِ دیوان

جو کوئی چاہے کہے خلاق اکبر کی
من رانی کی صفت سے کہے پیغمبر کی ثنا
جب پیغمبر کہہ چکے میں تن ہوں تو سر ہے علی
نعت ہے یکسر جو تن دے کہیئے حیدر کی ثنا
توڑ کر پہلو و دل اپنا در اندوہ سے
میں کہوں ہوں حضرت زہراؑ اطہر کی ثنا
خنجر افغاں سے ہو مذبوح و پی کر زہر غم
دل کہے ہے رَو رَو اس شبیر و شبر کی ثنا
تو رتن اوپر ید اللہ کے نثار اشکوں سے کر
گوہر شہوار ، میں کہتا ہوں ہر ہر کی ثنا[1]

۱۔ دیوانِ عزلت، سیّد عبد الولی عزلت سورتی، مرتبہ عبد الرزاق قریشی، ادبی پبلشرز، بمبئی:۱۹۶۲ء، ص:۴،۳

داؤد اورنگ آبادی

(۱)

ابتدا لکھتا ہوں بسم اللہ کا　　کھینچ مد دیوان بسم اللہ کا
بعد حمد و ذکر اللہ الصمد　　شغل ہے نعت رسول اللہ کا
فرض ہے نعت رسول اللہ بعد　　منقبت کہنا ولی اللہ کا
عشق اولادِ نبی آساں نہیں　　ہے کٹھن سالک سفر اس راہ کا
پیر کامل بن پہنچنا راہِ حق　　کام نیں داؤد ہر گمراہ کا

(۲)

کیا ہوں نامہ اعمال اس خاطر سیاہ اپنا
کہ دھووے حشر کے دن اوس کے تئیں باران رحمت کا
جہازِ دل اگرچہ غرق ہے دریائے عصیاں میں
میسر ہے ولے ساحل محمد کی شفاعت کا
سر اوپر جس کے افسر سایۂ اولاد احمدؐ ہے
اسے کیا باک ہے داؤد خورشیدِ قیامت کا[۱]

۱۔　دیوان داؤد اورنگ آبادی، مرتبہ، خالدہ بیگم، ادارہ ادبیات اُردو، حیدرباددکن، ۱۹۵۸ء، ص: ۰۹-۱۰

مرزا جمال اللہ عشق اورنگ آبادی (م: ۱۷۸۰ء-۱۷۸۱ء)

کہہ سکے کس منہ سے کوئی خلاق اکبر کی ثنا
کی نبی نے ما عرفنا کہہ کے داور کی ثنا
اے موحد ذاتِ احمد کو خدا تحقیق بوجھ
فی الحقیقت ایک ہے ربّ کے پیمبر کی ثنا
اژدہائے نفسِ سرکش چیر کر نامِ خدا
مہرِ تن میں طفلِ دل کہتا ہے حیدر کی ثنا
سیر بارہ برج کر کرتا ہے بارہ ماس دل
بارہ ساعت روز و شب بارہ مطہر کی ثنا
ہر سحر اٹھ منکے منکے سے کیا کر سبحہ وار
سو زباں سے عشقؔ تو مولائے مظہر کی ثنا(۱)

۱۔ مرزا جمال اللہ عشق اورنگ آبادی، دیوانِ عشق، مرتبہ: محمد اکبر الدین صدیقی، اعجاز پرنٹنگ پریس، ستمبر ۱۹۶۸ء، ص: ۱۴

رفیع الدین سودا(۱۷۰۶ء-۱۷۸۱ء)

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آبِ محمد کا
جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحابِ محمد کا
محمد علم کا گھر ہے علی اس کا ہے دروازہ
غلام اس کا ہو تو جو کلب ہو بابِ محمد کا
قدِ رعنا جب اپنا خم کیا بہرِ نماز ان نے
ہوا اس وقت ساجد کعبہ محرابِ محمد کا
زمین و آسماں کیوں ہوں نہ روشن نور سے اس کے
کہ ہے اک پرتوِ خورشید مہتاب محمد کا
کہا پیرِ خرد نے موجبِ خم پشتِ گردوں کا
یہ بختی بارکش رہتا ہے اسبابِ محمد کا
ادا کس کی زباں سے ہو سکے شکر اس کی نعمت کا
دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قابِ محمد کا
ہوا ہے کیا کچھ اہلِ بیت پر سودا ندم مارا
خدا بن کون ہے آگاہ آدابِ محمد کا[1]

۱۔ کلیاتِ سودا، جلد اوّل، ص:۲

شیخ ظہور الدین حاتم(۱۶۹۹ء-۱۷۸۳ء)

اوّل خدا نے نور تمھارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا
تجھ در پہ آرزو میں سلیماں مثالِ مور
کیوں کر نہ ہو کہ تجھ کو شہِ خسرواں کیا
صاحبِ دلوں کو حشر تلک ہے وہ سجدہ گاہ
جس سرزمیں پہ تم نے قدم سے نشاں کیا
کحل البصر کی جاتری خاک قدم کو بوجھ
آنکھوں کو مردماں نے بنا سرمہ داں کیا
دیکھا فلک سے قد کاترے مرتبہ بلند
طوبیٰ نے قدِ تیر کو اپنی کماں کیا
غفلت کے تار ہوش کے تیشے سے کاٹ ہم
گلشن بنا کے دل کو تمھارا مکاں کیا
حاتم کا دل ہوا تھا سراپا اگر ضعیف
تجھ عشق نے یہ پھر سرِ نو سے جواں کیا[1]

۱۔ دیوان زادہ، مرتبہ: عبدالحق، دلی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۷

قیام الدین قائمؔ (م:۱۷۹۳ء-۱۷۹۴ء)

مقدور کسے نعتِ پیغمبر کی رقم کا
ہر دم ہے دمِ تیغ پہ یاں راہ قلم کا
گل گشت دو عالم سے ہو کیوں کر وہ تسلی
زائر ہو جو کوئی ترے کوچے کے ارم کا
گو خضر تھا منزل کو نہ مقصود کی پہنچا
جویا نہ ہوا یاں جو ترے نقشِ قدم کا
امکان نہ تھا ممکن و واجب کو سمجھنا
مظہر جو نہ ہوتا تو حدوث اور قدم کا
ہے جرم نہ کردہ کی مرے عفو خریدار
تا گرم ہے بازار تری بیع سِلم کا
کیا دُور جو بخشش پہ کریں ناز جرائم
جس روز کہ شافع ہو تو اعمالِ اُمم کا
یا ختمِ رسلؐ گرچہ گنہ گار ہے قائمؔ
پر اُس کو بھروسا ہے ترے فضل و کرم کا[۱]

۱۔ کلیاتِ قائم، جلد اوّل، ص:۲

میر اثر (۱۷۳۵ء-۱۷۹۴ء)

احوال کھلا نہ ابتدا کا — معلوم ہوا نہ انتہا کا
بایں ہمہ جہل و بے شعوری — کیا ذکر کرے کوئی خدا کا
عرفانِ اتم ہے عجز عرفاں — تعریف قصور ہے ثنا کا
ہے دیدہ قصورِ نارسائی — پھل پھول کمال انتہا کا
جس جاگہ پہنچ نہیں کسو کی — فوق اس سے مقام مصطفیٰ کا
مسجود کل ملائک و جن — محمود تمام انبیا کا
اللہ کی بس کہے محمد — مظہر ہے وہ ذاتِ کبریا کا
اور نعت نبی کرے بس اللہ — یہ مونھ نہیں اور ماسوا کا
ہے رحمت حق بس اس پہ نازل — مورد ہے سلام اور دعا کا
ہے رتل میں اس کی آل اصحاب — اور گھر سب سیّد النسا کا
ازدواجِ مطہرات اس کے — کل ما صدق انہ النسا کا
کیا کہہ سکے کوئی جو ہے درجہ — ساتھ اس کے علی مرتضیٰ کا
ہے شہسوارِ شاہ مرداں — مردِ میدان لا فتا کا
مولا مشکل کشائے اُمت — سر تاج تمام اولیا کا
ذاتِ حسنین قرۃ العین — ہر ایک جگہ ہے مجتبیٰ کا
ہے عبد اللہ کا جو رتبہ — کیا کہیے ائمہٗ ہدا کا
صد شکر اثر کہ ہم نے پایا — دیدار امام مقتدیٰ کا
یعنی حضرات تک وسیلہ — ہے ناصری دین پیشوا کا[1]

ا۔ دیوانِ اثر، مرتبہ عبدالحق، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۳۰ء، ص:۱

میر محمدی بیدارؔ (م:۱۷۹۶ء)

حمد و نعت و منقبت

ہے نام ترا باعث ایجاد رقم کا
محتاج نہیں وصف ترا لوح و قلم کا
تقدیرِ بشر کب ہے تری حمد سرائی
کیا قطرۂ ناچیز سے اوصاف ہو یم کا
کیا جانے کہاں جلوہ نما تو ہے کہ یاں تو
ہے داغ تری یاس سے دل دیر و حرم کا
گر دست کشاں جذبۂ توفیق ہو تیرا
تو پہنچوں وگرنہ نہیں مقدور قدم کا
تجھ گنجِ محبت کا طلبگار پھروں ہوں
نے طالب دینار نہ مشتاق درم کا
تا پاک ہو ہر بندۂ آلودۂ عصیاں
ہے بحر تموّج میں ترے لطف و کرم کا
پہونچائیو وہاں میرے تئیں حشر میں یا رب
سایہ ہو جہاں احمدِ مرسل کے علم کا
شاہ دو جہاں ، فخر زماں ، سرورِ پاکاں
ہے کحلِ بصر ذرۂ پا اس کے قدم کا
وہ مظہرِ فیاض کہ انعام سے جن کے
کیسہ ہو جواہر سے تہی معدن و یم کا
ہر ذرّہ ہے خورشید شفاعت کا طلبگار
اس سے کہ وہ بخشندہ ہے عصیانِ اُمم کا

تشریف شرف صدق نے صدیق سے پایا
مشہورِ جہاں اس سے ہوا نام کرم کا
لے ہاتھ میں شمشیر عدالت کی عمر نے
قبضہ میں کیا ملک عرب اور عجم کا
سلطانِ ولایت اسداللہ کہ جس کی
ہیبت سے جگر آب ہو شیرانِ رجم کا
ظالم کشی و عدل سے اس سرورِ دیں کی
حک صفحۂ عالم سے ہو نام ستم کا
دل صاف کر آلائش دنیا سے کہ یہ دل
آئینہ ہے اسکندری و جام ہے جم کا
ٹک دیدۂ دل کھول کے تو دیکھ کہ رخشاں
ہر ذرۂ حادث میں ہے خورشید قدم کا
ہو جلوہ گر آئینۂ تشبیہ میں تنزیہہ
گر تفرقہ اُٹھ جائے وجود اور قدم کا
اس ہستیٔ موہوم پہ غفلت میں نہ کھو عمر
بیدؔار ہو آگاہ ، بھروسا نہیں دم[۱]

۱۔ دیوانِ بیدار، ص:۹

شاہ محمد کاظم قلندر(م:۱۷۴۵ء)

اپنے نبی پر میں بلہاری
واری واری جاؤں تیری چھب پر پیاری
تیرو پاؤں جِہ ٹھور پڑت ہے
کاہو کی بدھ نہیں جات پچاری
تورے پاؤں کو پہنچے پاوے
مونڈ کوئی کیتو دے ماری
جس تیں کو جانے یہ جانا
توری پہچان میں سب ہیں اناری
بہت بنائیں رب نے صورت
پے کچھ تیری بنی ہے نیاری
اور جو ہوت اگلی کوئی صورت
بس نہ کرت پھر کرت تیاری
ربے ہے تیرا تھپر پیارا
میں کا بَر نوں جیبھ تو ہاری
نرکھ ہے کا جو کہوں مورے تارو
واہو سے تم بن کو موہے تاری
ایسی دیا کرو جیسے کاظم
رہے سمائے توری چھپ ما پیاری(۱)

ا۔ نغمات الاسرار، مطبع بہار اودھ، لکھنؤ:۱۲۲۱ھ، ص:۲

اپنے رنگ موہے رنگ ڈارو
چرنن پر مورا تن من وارو

نجر کرم کی راکھے رہ مو پر
مایا بھرم سے جی کو نسارو

پاپن کے تار بے کونم کا
رب نے بنایا مو ہوں کو تارو

استت تیری کون سکے کر
جِھ پر ریجھا بناون ہارو

پچلے نہ مُومن بھولے نہ رب تو
بانھ گہے رہو من کو سنبھارو

کھینچے رہو جو حضور نہ چھوٹے
کاظم اب تن من سے ہارو(۱)

ا۔ نغمات الاسرار، ص:۳۰

لال آنکھیں تیری لال بست ہے — کاری کا بن انجن پیاری
نکھ سکھ تیں اس چھب بن آئی — جھ چھب پر راکھن جیو واری
تن من جیو سب تیرو ہے نرمل — کون کرے اب جوڑ تہاری
آو جوت تیرے گھٹ مابراجت — تیری جوت سے ہے جگ اجیاری
تیں ہے سمندر اور ہیں سُوتے — شکت بھگت تیری سب سے نیاری
تیرو کہائے ڈر ہے نرکھ کا — پاؤں دھروں بھاجے دئ ماری
انیک درود و سلام ہیں تم پر — رب کی اور سے اور ہماری
تنک ریکھ یہ اور توجا سے — بھرم چھانڈ دے باٹ ہماری
مورے اوگن کا دیکھ لجائیکے — جان بوجھ سدھ موری بساری
ارے رے رحم و کرم کے سمندر — لہر بہے ادھر یو اک باری
تم بن پاپن کا دوئ جگ مالو — ہے کو ایسا جو پار اُتاری
نرکھ پاپ اپنے نت یاسوں — مور توہیں آنکھیں کاری کاری
نرکھ پاپ جنہیں رووت ہوں — لال ہوت ہیں اور کھماری
مورے ما پاپ تورے ما آپ ہیں — دوئ میں ایک نہیں کے ڈاری
رکھ لے لاج دوئ جگ کاظم کی — دے جو مانگے یہ درس بھکاری[1]

۱۔ نغمات الاسرار، ص:۴۰

مولانا باقر آگاہ(م:۱۸۰۶ء)

یارسول خدا تمھارا ہوں | جان و دل سے فدا تمھارا ہوں
ایک نگاہ کرم کرو مجھ پر | گر بُرا یا بھلا تمھارا ہوں
مجھ کو میر و وزیر سے کیا کام | بندۂ بے نوا تمھارا ہوں
مت کرو غیر کا مجھے محتاج | یا نبیؐ میں گدا تمھارا ہوں
دل سے اغیار سے ہوں بیگانہ | جب ستی آشنا تمھارا ہوں
صحبتِ غیر سے کرو اے شاہ | تن مرا اب جدا تمھارا ہوں
گرچہ سر تا قدم ہوں جرم و گناہ | بولتا ہوں سدا تمھارا ہوں
گر جلا دیویں گے مجھے بہ غضب | جاؤں میں کاں اتا تمھارا ہوں
دیکھ میرے گناہِ بے حد کو | دیو مت یوں چلا تمھارا ہوں
یاں تلک غصہ مجھ اپر نہ کرو | آخر اے ذوالعطا تمھارا ہوں
عفو باقرؔ کی اب کرو تقصیر | از برائے خدا تمھارا ہوں[1]

۱۔ ہشت بہشت، ص:۱۷

شیر محمد خان ایمان (م:۱۸۰۶ء)

تاج کو کچکول اور کچکول کو کر دیوے تاج
وہ مقلب ہے قلوب ہر گدا و شاہ کا
جس کی ادنیٰ ہے رسائی خلوتِ قوسین تک
میں تو ہوں قربان جی سے اس دلِ آگاہ کا
آئینہ ہے صورت اس معنی کے ہر ذرّہ کے بیچ
اس کا نورِ خاص روشن گر ہے مہر و ماہ کا
بھیجوں میں صلوٰۃ اس پر اور اس کی آل پر
صدق میں ایمان میں بندہ ہوں اس درگاہ کا[1]

۱۔ ایمان سخن، ص:۴۹

قلندر بخش جرأت (م:۱۷۴۸ء-۱۸۰۹ء)

محمدؐ ہے نبی ممدوح ذاتِ کبریائی
کہے بندہ گر اس کی مدح دعویٰ ہے خدائی کا
سپہر معرفت حقا ہے وہ مہرِ الوہیت
کہ جس کا دینِ روشن آئنہ ہے حق نمائی کا
بلند اس کا وہ ایوانِ مراتب ہے کہ نئیں اس جا
خیال ساکنانِ عرش کو یارا رسائی کا
منور کیوں نہ اس کے نور سے ہو خانۂ طاعت
کہ روشن کرنے والا ہے وہ شمعِ پارسائی کا
گروہ انبیا میں وہ ہی حق کا برگزیدہ ہے
سوا اس کے لقب کس کو ملا ہے مصطفائی ہے
رکھے ہے منزلت یہ آستانِ سرورِ عالم
کہ فخر سلطنت ہے مرتبہ واں کی گدائی کا
اسی کے عشق میں پابندِ الفت رہ دلا ہر دم
کہ ہووے گا یہی روزِ جزا موجب رہائی کا
سراپا نورِ حق نامِ خدا کہیے نہ کیوں اس کو
کہ جس کا نقشِ پا ہو جبہ سا ساری خدائی کا
دلیل اس کی ہے یکتائی کی یہ لاریب اے جرأت
کہ تھا سایہ نہ اس محبوبِ ذاتِ کبریائی کا[1]

ا۔ کلیاتِ جرأت، جلد اوّل، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص:۲

میر تقی میرؔ (۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

(۱)

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسنِ قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسول کا
حق کی طلب ہے کچھ تو محمد پرست ہو
ایسا وسیلہ ہے بھی خدا کے حصول کا
مطلوب ہے زمان و مکان و جہان سے
محبوب ہے ملک کا فلک کا عقول کا
احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی احد
مذہب کچھ اور ہو گا کسی بوالفضول کا
جن مردماں کو آنکھیں دیاں ہیں خدا نے وَے
سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا
مقصود ہے علی کا ولی کا سبھی کا تو
ہے قصد سب کو تیری رضا کے حصول کا
تھی گفتگوئے باغِ فدک جڑ فساد کی
جانے ہے جس کو علم ہے دیں کے اصول کا
دعویٰ جو حق شناسی کا رکھیے سو اس قدر
پھر جان بوجھ کریے تلف حق بتول کا
پروائے حشر کیا ہے تجھے میرؔ شاد رہ
ہے عذر خواہِ جرم جو وہ تجھ ملول کا[۱]

۱۔ کلیاتِ میر، ص:۲۱۰

(۲)

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسنِ قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا
رہ پیروی میں اس کی کہ گام نخست میں
ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا
وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا
سرمہ کیا وضع پئے چشم اہلِ قدس
احمدؐ کی راہ گزار کی خاک اور دھول کا
ہے متحد نبی و علی و وصی کی ذات
یاں حرف معتبر نہیں ہر بوالفضول کا
دھو منھ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اس چمنستان کے پھول کا
حاصل ہے میر دوستیِ اہلِ بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا[1]

ا۔ کلیاتِ میر، ص:۵۳۲

انشا اللہ خان انشا (۱۷۵۲ء-۱۸۱۷ء)

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھالا
قم خذ بیدی و فقک اللہ تعالیٰ
ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبِ محبت
اس نور تجلی کی جھلک مجھ کو جھکا لا
اتنا تو پھرا وادیِ وحشت میں کہ میرے
ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا
سوجھے ہے مجھے عالم اطلاق کی منزل
الفت نے تو تقیید کے جھگڑے سے نکالا
ہر چند کہ عاصی ہوں پہ اُمت میں ہوں اس کی
جس کا ہے قدم عرش معلیٰ سے بھی بالا
مولائے جہاں رہبرِ عشاق محمد
سب عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا

قطعہ

اُمید مجھے ساقی کوثر سے ہے جس کے
ہے جام تولّا سے مرا نشہ دوبالا
قنبرؓ کو کرے حکم کہ جلدی سے خبر لے
انشا ہے غلاموں میں مرے اس کو چھڑا لا
زنہار نہ پہنچے کہیں آسیبِ جہنم
اولادِ نبی کی اسے سایے میں بلا لا
سب اس کے تصدق سے حسین ابن علی کے
بخشا کے غفور اپنے سے تو جرم و خطا لا[1]

۱۔ کلیات انشاء، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص:۲

مہ لقا چندا (۱۷۶۸ء-۱۸۲۴ء)

کہاں طاقت ہے راہ حمد میں جو ہو زباں گویا
کہ یھاں جز عجز و خاموشی نہیں ہے یک جہاں گویا

نہ ہو نعتِ محمدؐ میں کسی سے محفل آرائی
بچا رکھ ہرزہ گوئی سے زباں کو شمع ساں گویا

ثنا کی راہ میں ہرگز نہ پہنچے پائے مقصد کو
چلے اس دشت میں سر سے اگر پیر و جواں گویا

رسائی کب ہے اندیشہ کو یھاں جز نارسائی کے
زباں کو بند رکھ اشک گہر ہووے رواں گویا

بجز حق کے کوئی کب واصفِ وصف ایّمہ ہو
رہا چنداؔ فلک پر بھی یہی نکتہ نہاں گویا[1]

۱۔ دیوان مہ لقابائی چندا۔ مرتبہ: شفقت رضوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص: ۹۳

مرزا محمد علی فدوی (م:۱۷۹۵ء)

ہے چشم سے منظور تو دیدار ہے تیرا
کچھ کام زباں سے ہے تو اقرار ہے تیرا
ہو جان بدن میں تو فدا ہونے کو تجھ پہ
سینے میں رہے دل تو گرفتار ہے تیرا
آزار جو راحت ہے تو اس عشق کا آزار
بھاگے ہے شفا سے تو یہ بیمار ہے تیرا
آنکھوں میں جگہ ہے تو تصور ہی کو تیرے
ہے دل میں بھرا کچھ تو یہاں پیار ہے تیرا
فدوی ہو تو مشہور ترا یاں یہی فدوی
محشر میں اٹھے یہ تو دل افگار ہے تیرا[1]

۱۔ دکن میں اُردو، ص:۷۰

شاہ نصیر دہلوی (۱۷۵۶ء-۱۸۳۷ء)

ہم نے وصفِ گوہرِ عرفاں کو جب لکھنا کیا
موج سے مسطر کشیدہ صفحۂ دریا کیا
ہو گیا احمدؐ ہی اپنی میمِ مظہر سے احد
اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا
عینِ علمِ حق نظر آیا اسے دینِ علیؑ
صورتِ آئینہ جس نے چشمِ دل کو وا کیا
دستِ قدرت ہے مری نظروں میں ذاتِ پنجتن
بے سبب اللہ نے ان کو نہیں یک جا کیا
شش جہت کی کس سے ہو رونق بجز بارہ امام
آپ حق نے سب کو مالک دین و دنیا کا کیا
شمعِ ایوانِ خدا ہیں چار دہ معصوم پاک
جن سے ان چودہ طبق کو روشن اور اُجلا کیا
زاہدا! ان میں نہ کیوں ہو جلوۂ نورِ خدا
خود نمائی کے لیے اس نے انھیں پیدا کیا
سینہ کوبی ، دل خراشی ، گریہ و آہ و فغاں
ہم نے عشقِ پنجتن میں دیکھنا کیا کیا کیا

قطعہ

چار یار باصفا حق کی کتابیں چار ہیں
آپ جن کو منشیٔ تقدیر نے انشا کیا
یعنی بوبکر و عمر عثمان و حیدر ، بالیقیں
جن کو چار ارکانِ دینِ پاک ہے مولیٰ کیا
صورتِ اربع عناصر تھا بہم چاروں میں ربط
رُبع مسکوں میں انھوں نے دین کو احیا کیا

قطعہ

پنج انگشتِ یداللہ ہیں جنابِ پنجتن
وصف ان کا کاتبِ قدرت نے جو املا کیا
صفحۂ قرطاس نور افشاں یدِ بیضا بنا
یک قلم خامے کو انگشتِ یدِ بیضا کیا
زیبِ دیواں کیوں نہ ہو ہر بیت اس کی اے نصیرؔ
اس غزل کو شانِ اہلِ بیت میں انشا کیا(۱)

۱۔ کلیاتِ شاہ نصیر، جلد اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۴۵

امام بخش ناسخ (۱۷۷۲ء-۱۸۳۸ء)

دکھا اس کو جہاں میں غُل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدارِ محمدؐ کا
بہارِ گلشنِ دینِ محمد اب دکھا یا رب
ترصد بلبلِ دل کو ہے فصلِ گل کی آمد کا
گھسے مثلِ قلم پائے طلب لیکن نہ ہاتھ آیا
بسان سایۂ احمدؐ نشان تصویر احمد کا
شجاعت میں کرم میں عدل میں صورت میں سیرت میں
امام آخری ہے مثل اپنے جدِ امجد کا
عبور اللہ نے اس کو دیا ہے علم باطن پر
لیا ہر چند ظاہر میں نہ درس اک حرف ابجد کا
نفاق اس سے نہاں کیا ہو چھپے شرک خفی کیونکر
محک ہے اس کا سنگ آستانہ نیک اور بد کا
کرے گا جب کہ وہ اتمام آ کر حجت حق کو
زمانے میں رہے گا نام ملحد کا نہ مرتد کا
مسیحا بہرِ بیعت آئے گا چرخ چہارم سے
نہیں موسیٰ سے کم رتبہ ترے جلوے کے بیخود کا
جو نزدیک اس سلیمانِ زماں کا دور آئے گا
بیابانوں میں ہو گا ایک مسکن دام اور دد کا

خدا تیرا معرف ہے ملک تیرے موصّف ہیں
نہیں حد بشر کہنا ترے اوصاف بے حد کا
بنا اے مہر تاباں قصرِ یاقوت اپنے جلوے سے
سیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبر جد کا
نہ سُوئے جاہ دنیا منہ کیا اے شاہ دیں تو نے
سریرِ سلطنت تکیہ ہے گویا تیری مسند کا
گراتے رکن دیں یاجوج و ماجوج مل کے دنیا میں
جو پشتیبان تو ہوتا نہ ذوالقرنین کی سد کا
نمازوں میں مسیحا سا پیمبر مقتدی ہو گا
وہی رتبہ ہے تیرا بھی جو رتبہ تھا ترے جد کا
بھرا تجھ میں یہ حق نے علم رطب و یابس عالم
کہ جلد و جسم کو رتبہ ہے قرآن مجلد کا
جو کندے ناتراشیدہ ہیں ان کو فیض صحبت کیا
سوا اس کے کہ پایا مرتبہ چوب مسند کا
معانی قل ھواللہ احد کے ہیں عیاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا[1]

۱۔ کلیاتِ ناسخ، جلد اول، مرتبہ: یونس جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۰

کتابیات

کلیات:

۱- کلیاتِ احسان، مرتبہ: ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدر آباد، ۱۹۶۸ء

۲- کلیاتِ انشا، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۹ء

۳- کلیاتِ بحری، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حفیظ سیّد، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء

۴- کلیاتِ جرأت، جلد اوّل، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء

۵- کلیاتِ جعفر زٹلی (زٹل نامہ)، مرتبہ: رشید حسن خان، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۶- کلیاتِ حسرت، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی، سرفراز پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۶ء

۷- کلیاتِ سراج، مرتبہ: عبدالقادر سروری، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

۸- کلیاتِ سلیمان شکوہ، مرتبہ: ڈاکٹر شاہ عبدالسلام، نامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء

۹- کلیاتِ سوداؔ، جلد اوّل، مطبع منشی نول کشور، ۱۹۳۲ء

۱۰- کلیاتِ سودا، جلد دوم، عبدالباری، آسی، مکتبہ شعر وادب، لاہور، س ن

۱۱- کلیاتِ سوداؔ، جلد سوم، مرتبہ: ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۲- کلیاتِ شاہ نصیر، جلد اوّل، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۳- کلیاتِ قائم، جلد اوّل، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۴- کلیاتِ قائم، جلد دوم، مرتبہ: اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۵- کلیاتِ مصحفی، جلد نہم، مرتبہ: ڈاکٹر نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء

۱۶- کلیاتِ میر، مرتبہ: عبدالباری آسی، مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۹۴۱ء

۱۷- کلیاتِ ناسخ، جلد اول، مرتبہ: یونس جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء

۱۸- کلیاتِ نظیر، مرتبہ: عبدالباری آسی، مطبع تیج کمار، وارث نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء

۱۹- کلیاتِ ولی، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ، ص ۱۹۸۹ء

دواوین:

۱- دیوانِ آبرو، مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن، ترقی اُردو بیورو نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

۲- دیوانِ اثر، مرتبہ: عبدالحق، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۳۰ء

۳- دیوانِ بیدار، مرتبہ: جلیل احمد قدوائی، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۷ء

۴- دیوانِ جوشش، مرتبہ: قاضی عبدالودود، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۴۱ء

۵- دیوانِ حسرت عظیم آبادی، مرتبہ: ڈاکٹر اسما سعیدی، ترقی اُردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۶ء

۶- دیوانِ داؤد اورنگ آبادی، مرتبہ: خالدہ بیگم، ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۸ء

۷- دیوانِ راسخ عظیم آبادی، مرتبہ: ڈاکٹر شکیب ایاز، خدابخش لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۶ء

۸- دیوان زادہ (شیخ ظہور الدین حاتم)، مرتبہ: عبدالحق، دلی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء

۹- دیوانِ شاہ کاظم (نغمات الاسرار)، مطبع بہار اودھ، لکھنؤ، ۱۲۲۱ھ

۱۰- دیوانِ شیر محمد خان ایمان، ایمان سخن، مرتبہ: مولوی سیّد محمد ایم اے، شمس المطابع، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۷ء

۱۱- دیوانِ عزلت، سیّد عبدالولی عزلت، سورتی، مرتبہ: عبدالرزاق قریشی، ادبی پبلشرز، بمبئی ۱۹۶۲ء

۱۲- دیوانِ عشق اورنگ آبادی، مرتبہ: محمد اکبر الدین صدیقی، ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد، ۱۹۶۰ء

۱۳- دیوانِ قربی، مرتبہ: پروفیسر سیّد فضل اللہ انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۹۶۴ء

۱۴- دیوانِ مہ لقابائی چندا، مرتبہ: شفقت رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور، س ن

۱۵- دیوانِ میر سوز، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۹۶۳ء

۱۶- دیوانِ ولاؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، ادارہ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۳ء

۱۷- دیوانِ یقین، مرتبہ: مرزا فرحت اللہ بیگ، مطبع مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: ۱۹۳۰ء

مثنویات:

۱- امام بخش ناسخ، مثنوی ناسخ، مرتبہ: حبیب اللہ غضنفر، کتابستان، الہ آباد، ۱۹۳۱ء

۲- راسخ عظیم آبادی، مثنویاتِ راسخ، مرتبہ: ممتاز احمد، لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۵۷ء

۳- سعادت یار خان رنگین، فرس نامۂ رنگین، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۶ء

۴- سعادت یار خان رنگین، مثنوی رنگین، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی، ۱۸۴۵ء
۵- سعادت یار خان رنگین، مسدس رنگین، مرتبہ: تحسین سروری، ادارہ ترقی ادب، کراچی، ۱۹۵۲ء
۶- شاہ تراب چشتی، مثنوی گلزار وحدت، مرتبہ: ڈاکٹر نور السعید اختر، مہاراشٹر اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۸ء
۷- غلام قادر شاہ، مثنوی رمز العشق، مرتبہ: گوہر نوشاہی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء
۸- قاضی محمود بحری، مثنوی من لگن، مرتبہ: محمد سخاوت مرزا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۹۵۵ء
۹- مولانا باقر آگاہ، ہشت بہشت، مطبع گلزار حسنی، بمبئی، ۱۹۰۱ء
۱۰- میر حسن دہلوی، مثنوی سحر البیان، اتر پردیش، اُردو اکادمی، لکھنؤ، اشاعت سوم، ۱۹۵۵ء
۱۱- میر حسن دہلوی، مثنوی، رموز العارفین، شمس الاسلام پریس، حیدر آباد دکن، ۱۱۸۸ھ
۱۲- نوازش علی شیدا، مثنوی اعجاز احمدی، مطبع کریمی، بمبئی، ۱۳۱۳ھ

دیگر کتب:

۱- آفتاب شاہ عالم ثانی، عجائب القصص، مرتبہ: راحت افزا بخاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء
۲- آل احمد سرور، مسرت سے بصیرت تک، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۳- الف۔ د۔ نسیم۔ ڈاکٹر، بارہویں صدی ہجری میں دلی کا شاعرانہ ماحول اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۹ء
۴- الف۔ د۔ نسیم۔ ڈاکٹر، مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۵- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد اوّل،
۶- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۴ء
۷- حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اُردو، انجمن ترقی اردو، لاہور، س ن
۸- خالد مسعود (مرتب): اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۹- رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، ۲۰۱۰ء
۱۰- ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعتیہ شاعری، اقبال اکادمی، پاکستان، ۱۹۹۰ء

۱۱- سیّد عبد اللہ، ڈاکٹر، مباحث، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء
۱۲- سیّد عبد اللہ، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، سنگِ میل، لاہور، ۲۰۱۴ء
۱۳- سیّد محمد حسنین، مرزا محمد علی فدوی، عصر حیات، شاعری و کلام، اُردو سوسائٹی، پٹنہ، ۱۹۵۶ء
۱۴- شمس الرحمٰن فاروقی، اُردو کا ابتدائی زمانہ، بارِ سوم، آج پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۵ء
۱۵- صبیح رحمانی: (مرتب)، امیر مینائی کی نعت، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۲۱ء
۱۶- عابد علی عابد، البدیع، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۵ء
۱۷- علیم صبانویدی، (مرتب)، مولانا باقر آگاہ کے ادبی نوادر ٹمل ناڈو، اردو پبلی کیشنز، مدراس، ۱۹۹۴ء
۱۸- فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار، کراچی، ۱۹۷۴ء
۱۹- مہر جہاں، میر اسد علی خان تمنا؛ حیات اور ادبی کارنامے، حیدر آباد، انڈیا، ۱۹۸۴ء
۲۰- مولوی عبد الحق، قواعد اُردو، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۱۳ء
۲۱- نجم الغنی خان، حکیم، بحر الفصاحت، جلد دوم، مرتبہ: ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئ دہلی
۲۲- نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اُردو، قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئ دہلی، ۱۹۸۵ء

رسائل:

۱- اُردوئے معلّٰی، لسانیات نمبر، شعبہ اُردو دہلی یونیورسٹی، شمارہ ۵، ۴، جلد سوم
۲- اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری، ۱۹۳۳ء
۳- ماہِ نو، کراچی، سیرت رسولؐ نمبر، جولائی ۱۹۶۳ء
۴- نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۲۵، جولائی ۲۰۱۵ء